

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان دُؤا النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن
لاہور

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میں چونکہ قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں لہذا میری کوشش یہ ہوگی کہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی روشنی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چند مناقب و فضائل اور ان کی سیرت کے چند پہلو آپ کے سامنے رکھوں۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے ضمن میں سب سے زیادہ مشہور و معروف بات ان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کی قربت ہے جو تقریباً ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک نسلی تعلق اور قربت داری اصل اساس فضیلت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تو اس تصور کی کامل نفی کی ہے، چنانچہ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ہے :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا

وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

خَبِيرٌ ۝ (الحجرات : ۱۳)

”لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے (جد اجداد) خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لئے (نہ کہ تکبر و افتخار کے لئے) بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت دار تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔“

رنگ و نسل اور خون کے رشتوں کے تعلق کو، جنہیں عام طور پر دنیا میں شرف و فضیلت کی اساس سمجھا گیا ہے، قرآن مجید نے غلط قرار دیتے ہوئے رنگ و نسل کے تمام

بتوں کو توڑ ڈالا ہے اور اصل بنائے شرف و عزت اور کرامت و فضیلت صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ اسی کی تفسیر و تشریح نبی اکرم ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ حضورؐ نے اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا اور رشتہ داری کے لحاظ سے جو لوگ قریب ترین تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں ان کو نام بنام مخاطب فرمایا کہ :

((.... يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ، سَلِّبِي مَا شِئْتَ مِنْ مَالِي، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا)) (متفق علیہ)

”.... (اے رسول اللہ کے چچا) عباس بن عبد المطلب، میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا، اور اے صفیہ، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا، اور اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! تم میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ سکتی ہو، لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔“

یہ مضمون متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں :

((يَا فَاطِمَةُ بِنْتِ مُحَمَّدٍ (ﷺ) أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا))

”اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ اس لئے کہ میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔“

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں نسل، نسب اور رنگ و خون کو بنائے شرف و فضیلت سمجھنے کے باطل نظریہ پر یہ ارشاد فرما کر کاری ضرب لگائی کہ :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ

عَلَىٰ أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَىٰ أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ))

(مسند احمد، عن ابی نصرۃ)

”اے لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا پہلے بھی ایک ہی ہے! جان لو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے۔“

سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت میں تقویٰ کو فضیلت و اکرام کی بنیاد قرار دینے کے علاوہ قرآن حکیم نے اس بات کو مختلف اسالیب سے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی حسب و نسب کسی کے کام نہیں آسکے گا، بلکہ ہر انسان کو صرف اس کے اپنے اعمال ہی اللہ کی پکڑ سے بچاسکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ النجم میں فرمایا گیا: ﴿وَأَن لَّنِيسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۖ وَأَن سَعْيُهُ مَؤْوَفٌ ۖ يُرَىٰ ۖ﴾ اور متعدد مقامات پر فرمایا گیا: ﴿لَا تَرَوْا وَازِرَةً وَّرِزْرًا ۖ أَخْرَىٰ ۖ﴾

یہود و نصاریٰ کو یہی پندار لاحق ہو گیا تھا کہ چونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور ان کی نسل میں جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں، لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے جیسے ہیں اور اس کے بیٹوں کی مانند ہیں: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۖ﴾ (المائدہ: ۱۸) چنانچہ ان کے اس پندار کو قرآن مجید نے باطل قرار دیا اور فرمایا گیا: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَعْبُدُونَ نَفْسَ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً ۖ﴾ (البقرہ: ۴۸) نیز ان کو متنبہ کیا گیا کہ پچھلوں کی کمائی ان کے لئے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لئے ہے: ﴿بَلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ﴾ (البقرہ: ۱۳۴-۱۳۵)

پس معلوم ہوا کہ از روئے قرآن مجید اصل بنائے فضیلت اور اصل بنائے شرف نسل اور خون کا رشتہ نہیں ہے بلکہ ایمان و تقویٰ ہے۔ بایں ہمہ دو باتیں انتہائی قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری اور رشتے داری کا تعلق چاہے کلی طور پر بنائے فضیلت نہ ہو لیکن من وجہ فضیلت کی ایک بنیاد ضرور ہے۔

دوسری یہ کہ چونکہ عوام کے ذہن عموماً اس بنائے شرف کو قبول کر لیتے ہیں، بلکہ عوام کی اکثریت کا تصور فضیلت یہی ہے، چنانچہ ہمارے یہاں ایک مکتبہ فکر نے عوام الناس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسی چیز کو بنائے شرف و فضیلت بنا کر اس کا زبردست چرچا کیا ہے۔ لہذا اس نقطہ نظر سے اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت داری کے پہلو کو نمایاں اور واضح کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضور سے قربت

امرواقہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قربت و رشتہ داری کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تہرارشتہ اور تعلق ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خاندان کے لحاظ سے نجیب الطرفین قرشی ہیں اور پانچویں پشت میں ان کا اور حضور ﷺ کا نسبی تعلق یکجا ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ حضرت اروئی بنت ام الکلیم بنت عبد المطلب تھیں، لہذا حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ محترمہ جناب عبد المطلب کی نواسی تھیں اور نبی اکرم ﷺ عبد المطلب کے پوتے۔ گویا حضور ﷺ اور حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ ماجدہ کے مابین پھوپھی زاد بہن اور داموں زاد بھائی کا رشتہ ہے۔ لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس نسبت سے نبی اکرم ﷺ کے بھائے ہیں۔

شرفِ دامادی

دوسرا رشتہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دوہرے داماد ہیں۔ ہجرت مدینہ سے بہت قبل حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ ہجرت کے بعد غزوہ بدر کے متصل ہی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ کی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالہ نکاح میں آئیں۔ اسی نسبت سے حضرت عثمان غنیؓ کا لقب ”ذوالنورین“ قرار پایا۔ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورؐ کی

دامادی کا شرف حاصل تھا۔ دامادی کے اس شرف کا ایک خاص گروہ کی طرف سے خوب چرچا کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی بادی تامل صاف نظر آتا ہے کہ حضرت عثمان غنی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں دامادی کی فضیلت دو چند اصل ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ پر انتہائی رنج و ملال طاری تھا اور افسردگی و پڑمردگی ان کے چہرہ مبارک سے ہویہ اٹھی۔ ایک روز اسی رنج و الم کے عالم میں حضورؐ نے پوچھا کہ ”اے عثمانؓ تمہارا کیا حال ہے!“ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: ”میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میرے برابر اور کسی کو مصیبت نہ پہنچی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی وفات پاگئیں اور میرے اور آپؐ کے درمیان دامادی کا رشتہ منقطع ہو گیا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے عثمانؓ! تم یہ کہہ رہے ہو اور جبریل علیہ السلام میرے پاس موجود ہیں، اور وہ مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کر دیا ہے۔“ گویا حضرت عثمان غنیؓ کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح آسمان پر پہلے ہوا اور زمین پر بعد میں۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہ فضیلت صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آئی کہ جس طرح ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح حضورؐ سے پہلے آسمان پر ہوا اور بعد میں زمین پر، اسی طرح کا معاملہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہو چکا تھا۔ جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی وفات پاگئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے نکاح میں دیتا رہتا۔ روایات میں تعداد مختلف ہے لیکن سب میں یہ بات مشترک ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دامادی اور ان کے حسن سلوک سے اس قدر راضی، خوش اور مطمئن تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی صاحبزادیوں کو ان کے نکاح میں دینے کے لئے تیار تھے۔

آپ جانتے ہیں کہ خسر اور داماد کا رشتہ بڑی نزاکتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اگر کسی داماد کے سلوک سے کسی بیٹی کا باپ غیر مطمئن ہو تو وہ کسی حال میں بھی اپنی دوسری بیٹی کو اس داماد کے نکاح میں دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضور

حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے اپنی چالیس صاحبزادیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایک ایسا شرف ہے کہ جس میں حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اور یہ اس بات کی بھی روشن دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ حضورؐ کو کس قدر محبوب تھے۔

”ذوالنورین“ کا لقب

اگر دامادی کوئی وجہ شرف و فضیلت ہے اور یقیناً ایک درجے میں یہ وجہ شرف و فضیلت ہے تو اس لحاظ سے بھی حضرت عثمان غنیؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اسی نسبت سے آپؐ کا لقب ”ذوالنورین“ قرار پایا تھا۔ اس معزز لقب کے چند اور پہلو بھی ہیں جو آگے بیان ہوں گے۔

معاندین کی جسارت

شاید آپؐ کو معلوم ہو کہ اس دور میں ایک مخصوص گروہ کی طرف سے نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ تاریخ کو مسخ کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے، اور وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی صلیبی صاحبزادی صرف حضرت فاطمہ الزہراءؓ تھیں۔ بقیہ تین صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) حضور ﷺ کی صلیبی بیٹیاں نہیں تھیں، بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے کسی پہلے فوت شدہ شوہر سے تھیں اور حضورؐ کی دبیہ تھیں۔ اتنا بڑا سفید جھوٹ اس اعتبار پر کھڑا کیا ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال بعد اس جھوٹ کو کسی طرح ایک تاریخی سند حاصل ہو جائے۔ چونکہ عوام الناس میں نہ شعور ہوتا ہے اور نہ ذوق تحقیق و جستجو، لہذا ان کے لئے پچاس ساٹھ سال پہلے کی کسی مطبوعہ کتاب کی عبارت بھی ایک سند اور دلیل کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ دراصل یہ جرمنی کے ڈاکٹر گوٹہلڈ کی خاص تکنیک ہے کہ بڑے سے بڑے جھوٹ ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ بولوا اور مسلسل بولتے رہو، چند لوگ تو مخالطہ میں آکر اس جھوٹ کو سچ مان ہی لیں گے، اور بہت سے لوگ اگر تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم شکوک و شبہات

میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ جس گروہ نے نسل تعلق اور قرابت ہی کو بنائے شرف و فضیلت قرار دیا ہے اور اسی پر اپنے تمام فلسفہ کی عمارت تعمیر کی اور اس کا تانا بانا اُستوار کیا ہے تو جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ حضورؐ سے دامادی کا تعلق ادھر (یعنی حضرت علیؑ کی طرف) اکرا ہے اور ادھر (یعنی حضرت عثمانؓ کی طرف) دوہرا ہے تو انہوں نے اس بات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی کہ خود ان کے اپنے مسلک کی تاریخ، فقہ اور احادیث کی کتابوں میں یہ بات بالمراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بطن سے اور نبی اکرم ﷺ کے صلب سے چار بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے یہ جھوٹ گھڑ لیا کہ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک ہی صلیبی صاحبزادی تھی اور وہ تھیں حضرت فاطمہ الزہراءؓ۔ یہ طرز عمل ڈھٹائی اور بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

ذاتی فضائل

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جن اہل ایمان کا حضور ﷺ کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری کا تعلق تھا ان کے لئے یہ تعلق بھی ایک بنائے فضیلت ہے، لیکن یہ اصل اور واحد بنائے فضیلت نہیں ہے، اصل بنائے فضیلت درحقیقت انسان کا اپنا کردار، اپنا عمل، اپنا تقویٰ اور اپنے اوصاف ہوتے ہیں۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے کہ

إِنَّ الْفَتَىٰ مَنْ يَقُولُ هَا أَنَا ذَا

لَيْسَ الْفَتَىٰ مَنْ يَقُولُ كَانَ ابْنِي كَذَا

(اصل جوان مرد تو وہ ہے جو یہ کہے کہ ”یہ میں ہوں“۔ وہ جوان مرد نہیں جو یہ

کہے کہ میرا باپ ایسا تھا!)

اس شعر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ”پدرم سلطان بود“ کہنے والوں کو کبھی بھی دنیا میں مقام عزت حاصل نہیں ہوا ہے۔ سوال تو یہ ہوتا ہے کہ تم کیا ہو؟ جوان مرد تو وہی کہلانے کا مستحق ہے جو میدان میں آکر یہ کہے کہ ”یہ میں موجود ہوں“ اور اُس میں واقعی جوان مردی کے جوہر موجود ہوں۔ جوان مرد وہ نہیں ہے جو یہ کہے کہ میرے باپ دادا ایسے

شجاع، جری اور دلیر تھے۔ دنیا ایسے دعووں کو کبھی تسلیم نہیں کرتی۔ اس کی نظر میں قدر و قیمت صرف اس انسان کی ہوتی ہے جس میں اپنے ذاتی اوصاف حمیدہ موجود ہوں۔

منعمِ علیم کون ہیں؟

میں چاہتا ہوں کہ خاص ذاتی اوصاف اور سیرت و کردار کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کا جائزہ لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ الفاتحہ ہماری نماز کا جزو لازم ہے۔ اس سورہ میں ہم اپنے رب سے ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں کہ :

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا۔“ لیکن یہاں یہ بیان نہیں ہوا کہ ”منعمِ علیم“ کون لوگ ہیں جن کے راستے کی راہنمائی کی دعا کی جا رہی ہے — فہم قرآن کا ایک اصول یہ ہے کہ : اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بِنَفْسِهِ بَعْضُهُا بَعْضًا چنانچہ سورۃ نساء میں اس بات کو واضح کیا گیا۔ وہاں فرمایا گیا کہ ان اہل ایمان کو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اس دنیا میں لازم کر لیں گے، آخرت میں ان لوگوں کی رفاقت و معیت نصیب ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، اور یہ منعمِ علیم اور خوش نصیب لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ ایسے مبارک اور احسن لوگوں کی رفاقت اہل ایمان کو نصیب ہوگی :

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ

أُولَٰئِكَ زِينَةً ۝﴾ (النساء : ۶۹)

سورۃ نساء کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ از روئے قرآن حکیم منعمِ علیم کی چار جماعتیں ہیں۔ ان میں انبیاء کرام، علیم السلام بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ پھر صدیقین کا درجہ ہے، ان کے بعد شہدائے کرام، اور ان کے بعد مؤمنین صالحین ہیں۔ ان چاروں درجات عالیہ میں سے جہاں تک نبوت کا تعلق ہے تو وہ پہلے ہی کسی نہیں تھی، وہی تھی۔ اور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر اس کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لئے بند ہو چکا ہے۔

اب قیامت تک کسی نوع کا کوئی نئی مبعوث نہیں ہوگا، نہ ظلی نہ بروزی۔ اب جو بھی دعویٰ نبوت کرے اس کے کذاب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ بقیہ جو تین مراتب و مدارج ہیں ان کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ اصحاب ہمت و عزیمت کے لئے اپنی اپنی ہمت، کوشش، محنت، ایثار اور کسی درجے میں اپنی اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے اُن تینوں مراتب پر فائز ہونا اب بھی ممکن ہے۔ البتہ جو نفوس قدسیؑ نبی اکرم ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں اور صحابی ہونے کے شرف کے حامل ہیں ان کے رتبے اور مرتبے کو پہنچنا ممکن نہیں۔ ہاں! ان مقامات عالیہ کے دروازے بند نہیں ہوئے اور مومنین کو اپنی اپنی سعی و جہد اور محنت کے نتیجے میں یہ درجات حاصل ہو سکتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ کا مقام

اب اس مقدمے کے ساتھ آخری بارے کی سورۃ اللیل کی چند آیات مبارکہ پر غور کیجئے۔ اس سورۃ مبارکہ کی آخری چھ آیات کے متعلق تو مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر صدیقؓ پر نازل ہوئی ہیں، جو بلاشبہ صدیق اکبرؓ ہیں، اور جن کی شان یہ ہے کہ وہ ”افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق“ ہیں۔ ان آیات میں ”الافتی“ کا مصداق اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ ان آیات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا بیان ہوا ہے: ﴿اللّٰہِیْ یٰوٰتِیْ مَالَهُ یَنْزِلْ عَلَیْہِ﴾ یہ مال اللہ کی راہ میں صدیق اکبرؓ نے اپنے تزکیہ کے لئے صرف کیا۔ یہ نہیں کہ ان پر کسی کا قرض یاد باؤ تھا بلکہ یہ سارا اتفاق لَوْجِہُ اللّٰہِ تھا۔ چنانچہ فرمایا ﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی إِلَّا اِنْ شَاءَ وَجْہُ رَبِّہِ الْاَعْلٰی﴾ اس مال کے صرف کا ایک ہی مقصد صدیق اکبرؓ کے پیش نظر تھا اور وہ تھا رضائے الہی کا حصول — پیغمبروں کی سرپرستی، یواؤں کی دھگیری، صاحب ایمان غلاموں کی خرید اور زنتکاری، مسافروں کی خبرگیری، محتاجوں کی حاجت روائی اور پھر دین حق کے غلبے اور اللہ کے جھنڈے کو بلند کرنے، اسلام کی نشر و اشاعت، جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے سامان کی فراہمی میں صدیق اکبرؓ پر نازل ہوئے مال و منال خرچ ہو رہے تھے، اور تمنا

اور آمزوتھی تو صرف یہ کہ اللہ راضی ہو جائے — اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی صدیق اکبرؑ کو اپنی رضا کی ان الفاظ میں خوش خبری سنائی ہے کہ : ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ﴾ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورۃ اللیل دراصل ”سورۃ الصدیق“ ہے اور فوراً بعد سورۃ النبیؐ سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے — یہی نکتہ ہے کہ سورۃ اللیل میں صیغہ غائب میں فرمایا ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ﴾ اور سورۃ النبیؐ میں واحد حاضر کے صیغہ میں فرمایا : ﴿وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَزَرْضَىٰ﴾

صدیقیت کے عناصر ترکیبی

مقام صدیقیت کے جو عناصر ترکیبی ہیں وہ سورۃ اللیل کی ان تین آیتوں میں بیان ہوئے ہیں : ﴿فَأَمَّا مَنْ آخَىٰ وَاصِقًا بِالْحُسْنَىٰ﴾ ﴿فَسَيَسْزُؤُهَا الْيُسْرَىٰ﴾ ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ جس صاحب ایمان شخص کی سیرت و کردار میں یہ آجزائے ثلاثہ ”إعطاء“ تقویٰ اور تصدیق بالحق ”جمع ہو جائیں اس کے لئے مقام صدیقیت کی راہ کشادہ اور آسان ہو جاتی ہے۔ آخری آیات میں سب سے زیادہ اعطاء کے وصف کو نمایاں کیا گیا، جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں : ﴿أَلَدَىٰ يُونُثَىٰ مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ﴾ — ایک طرف اعطاء ہو، جو دو سزا ہو۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر انسان تڑپ اٹھے، اس کی تکلیف دور کرنا اگر اس کے بس میں ہو تو اسے دور کرے۔ کسی کو احتیاج میں دیکھ کر اس کا اپنا آرام حرام ہو جائے اور اس پر یہ دھن سوار ہو کہ کسی طرح اس کی احتیاج کے دور کرنے میں اس کا تعاون شامل ہو جائے۔ مقام صدیقیت کا یہ سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ دوسرا وصف ہے تقویٰ — طبیعت میں نیکی کا مادہ، خیر کا جذبہ، نیکی کا فطری میلان، برائی اور بدی سے طبعی کراہت اور نفرت، برائی سے بچنے کا ذاتی رجحان اور کوشش۔ گویا خدا خوفی اور خدا ترسی کی ایک کیفیت — اور تیسرا وصف جو مقام صدیقیت کی تکمیل کرتا ہے، اور جس سے کسی کی صدیقیت پر مرثبت ہو جاتی ہے وہ ہے ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ یعنی جو بھی اچھی بات سامنے آئے اس کی فوراً تصدیق کرے۔ انانیت نہ ہو، تکبر نہ ہو کہ میں اگر دوسرے کی بات مان لوں گا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا اور وہ بڑا ہو جائے گا — ہم خود اپنے اوپر اس

بات کو وارد کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ بسا اوقات کسی سے بحث ہو رہی ہو اور اٹھائے بحث میں انسان محسوس کر بھی لے کہ مقابل کی بات درست ہے، لیکن وہ اپنی بات کی اُچھ اور انانیت کی بنا پر اپنے موقف کے غلط ہونے کے شعور و ادراک کے باوجود دوسرے کی بات تسلیم کرنے سے احتراز کرتا ہے اور اسے اپنی شکست اور ہٹی سمجھتا ہے، لہذا کٹ جتنی اختیار کرتے ہوئے دلیل پر دلیل وضع کرتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات کو مان لینا اور تسلیم کر لینا آسان کام نہیں۔ جس شخص میں یہ وصف ہو کہ چاہے دشمن بھی ایسی کوئی بات کہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو تو اسے فوراً تسلیم کرے، بلاشبہ وہ صاحب کردار شمار ہو گا۔ اس طرز عمل کا نام ہے تصدیق بالحق۔ یہ تینوں اوصاف اعطاء، تقویٰ اور تصدیق بالحق جس صاحب ایمان میں جمع ہو جائیں، وہ شخص صدیق کہلائے گا۔ چنانچہ سب سے زیادہ اور سب سے نمایاں طور پر یہ اوصاف ثلاثہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں جمع ہوئے، اسی لئے وہ صدیق اکبر ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ”صدیق“ صرف وہی ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدیقین کی جماعت میں حضرت ابو بکر دراصل ”صدیق اکبر“ کے مقام پر فائز ہیں، وہ صدیقین کی جماعت کے سرخیل اور گل سرسبد ہیں۔ اس کی دلیل سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت میں موجود ہے، جس میں جمع کا صیغہ ”صدیقین“ استعمال ہوا ہے۔

یہی بات سورۃ المائدہ کی آیت ۱۸ میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہے : **وَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفَ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ** یعنی ”ب شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیں، ان کے لئے دو گنا اجر ہے اور بہترین بدلہ ہے، جس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔“ اس آیت کریمہ میں ایک اصطلاح ”صدقہ“ کی استعمال ہوئی ہے اور ایک ”اللہ کو قرض حسن دینے کی“۔ ان دونوں اصطلاحوں کے علیحدہ علیحدہ مفہام ہیں۔ ”صدقہ“ اس اتفاق کو کہتے ہیں جو یتیموں، یتیموں، مسکینوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی خبر گیری اور حاجت روائی کے لئے صرف کیا جائے، جبکہ اللہ کے ذمے ”قرض حسن“ دراصل وہ اتفاق مال ہے جو اللہ کے دین کے غلبے، نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں کیا جائے،

جس کا مقصود و مطلوب ہو : لَتَكُونَنَّ كَلِمَةً لِلَّهِ مِنَ الْعَالَمِينَ۔

سورۃ الحديد میں اللہ کے دین کے غلبے کے لئے مسلمانوں کو ترغیب و تشویق کا مضمون
 مانے جانے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يقرضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
 فَيُضْعِفُهُ لَهٗ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ ”کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ وہ اس میں
 مسلسل اضافہ فرماتا رہے؟ ایسے شخص کے لئے اجر کریم ہے۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی
 اور رحیمی ہے کہ وہ اس مال کو جو اس کے دین کی سربلندی کے لئے صرف کیا جائے، اپنے
 ذمے ”قرض حسن“ سے تعبیر کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اتنی ہے، اسے کسی کے مال کی
 کوئی حاجت نہیں، اس کی شان تو قرآن میں ﴿وَلِلّٰهِ مِثْرَاتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے
 الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن وہ اپنے دین کی راہ میں خرچ کئے جانے والے مال کو اپنے
 ذمے قرض حسن سے تعبیر فرماتا ہے، جس سے محض مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور قدر
 دانی مقصود ہے۔

اسی سورۃ الحديد میں صاحب احتیاج لوگوں کی حاجت روائی اور اللہ کے دین کی
 سربلندی کے لئے مال صرف کرنے والوں سے اجر کریم کے وعدے کے بعد فرمایا :
 ﴿وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ وَالشَّهَادَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ
 اَجْرُهُمْ وَتُوْضَعُ لَهُمْ وُزْنُهُمْ﴾ ”اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی
 صدیقین اور شہداء میں سے ہیں۔ ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔“ یعنی جن
 لوگوں میں إعطاء کا وصف موجود ہے، جو بخیل نہیں، جو دوسکا سے متصف ہیں، جو غراء،
 بتائی، مساکین اور دوسرے صاحب احتیاج لوگوں کی خبر گیری اور حاجت روائی، نیز اللہ
 کے دین کے غلبے اور نشر و اشاعت کے لئے اپنا مال صرف کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں کہ
 جب ان کے کشتِ قلوب میں ایمان کی عم ریزی ہوتی ہے تو وہ پورے طور پر بار آور ہوتا
 ہے، اور خوب برگ و بار لاتا ہے۔ یہ بات آپ امھی طرح جانتے ہیں کہ بیج ایک ہو لیکن
 اگر زمین مختلف ہو تو نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں۔ ہر بیج کی نشوونما اور بار آوری کے
 لئے لازم ہے کہ زمین اس بیج کے لئے سازگار ہو۔ اگر زمین بخر ہوگی تو بیج ضائع ہو جائے
 گا۔ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی سے بھی واضح کیا اور اسی کی ایک

تمثیل انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ زمیوں کے فرق سے پیداوار میں زمین و آسمان کا تفاوت ہو جائے گا۔۔۔ ایک کشتِ قلب وہ ہے جس میں 'إعطاء' صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا مل چل چکا ہے۔ اس میں جب ایمان کا بیج پڑے گا تو بار آور ہو گا اور اس کو صدیقیت و شہادت کے مقاماتِ عظمیٰ تک رسائی حاصل ہو جائے گی: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے نزدیک صدیق بھی ہیں اور شہید بھی"۔۔۔ ﴿لَنُحْمِلَهُمْ أَجْرَهُمْ وَنُؤْتِيهِمْ﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ بھی اللہ کے ہاں محفوظ ہے اور جن کا نور بھی محفوظ ہے"۔

سیرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چند درخشاں پہلو

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لقب "ذوالنورین" کی شرح اس آیت کی روشنی میں بھی ہوتی ہے، کیونکہ ہم جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کا بنور مطالعہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ نورِ صدیقیت اور نورِ شہادت دونوں جس شخصیت میں یکجا جمع ہوئے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس بات کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تجزیے سے بہتر طریقے پر سمجھا جاسکے گا۔ میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں، میں اس کا تانا بانا نہیں چکا ہوں۔ اب آپ اس میں بہ سہولت پھول ٹانک سکتے ہیں، اب یہ پھول آپ کو علیحدہ محسوس نہیں ہوں گے بلکہ تانے بانے میں گتے ہوئے نظر آئیں گے۔

جو دو سخا

سب سے پہلے "إعطاء" کے وصف کو لیجئے جو مقامِ صدیقیت کا وصفِ اول ہے۔ یہ وصف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکہ-الآراء کتاب "إزالة الخلفاء عن خلافة الخلفاء" میں محققین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو "ذوالنورین" کا جو لقب ملا تو اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان میں دو سخاوتیں جمع ہو گئی تھیں۔ ایک سخاوت اسلام لانے سے پہلے کی زندگی کی ہے اور دوسری سخاوت کی شان وہ ہے کہ جو اسلام لانے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد ظاہر ہوئی۔ اصلاً تو آپؐ کو ”ذوالنورین“ کا لقب حضور ﷺ کی دو صا جزادیوں کا یکے بعد دیگرے آپؐ کے حوالہ عقد میں آنے کی وجہ سے ملا تھا، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک محققین اُمت کا یہ قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے کہ اس معزز لقب کا باعث حضرت عثمانؓ کی زندگی میں اسلام سے قبل اور قبول اسلام کے بعد کی جو دو سجا بھی ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی بیٹھو کی عمر نبی اکرم ﷺ سے پانچ سال کم تھی۔ ان کے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی بڑے گھرے مراسم تھے۔ ظاہر ہے کہ گھرے اور مضبوط دوستانہ تعلقات و مراسم میں طبیعت و مزاج کی یکگئی اور موافقت موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح اسلام سے قبل حضرت ابو بکر صدیقؓ بیٹھو پیکرِ جو دو سفا اور نوعِ انسانی کی ہمدردی سے معمور شخصیت تھے اسی کا عکس کامل حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے۔ اسلام لانے کے بعد جس طرح صدیق اکبرؓ نے اپنا سارا اثاثہ اور مال و منال دینِ حق کی سربلندی اور غلبے کے لئے لگایا اور ان غلاموں کو جو دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کے باعث اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ظلم کی جھکی میں پس رہے تھے، اپنی جیبِ خاص سے خرید کر آزاد کیا، اور غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا پورا گھر کا اثاثہ سمیٹ کر نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا، کم و بیش یہی کیفیت حضرت عثمان غنیؓ کی بھی رہی ہے، اور انہوں نے نہایت ہی نامساعد حالات میں اپنے سرمائے سے دین کی خدمت کی ہے، جس کی چند مثالیں آگے بیان ہوں گی۔ اس وقت جو بات میں آپؐ کو پھنسا جاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر صدیق کی سیرت میں صدیقیتِ کبریٰ کا عکس ضرور نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی سیرت میں یہ عکس بتمام و کمال موجود ہے اور اسی وصف کے باعث ان کا دو سرا معزز لقب ”غنی“ بھی ہے۔

بشرِ رومہ کا وقف کرنا

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کے لئے پانی کی قلت ہوئی اور مسلمانوں کی عورتیں ہنرِ رومہ سے، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر

تھا، پانی بھرنے جاتی تھیں تو یہودی ان پر فقرے کتے تھے اور اس طرح مسلمانوں کی عزت مجروح ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیٹھے پانی کے اس کنویں کے مالک یہودی کو منہ مانگی بھاری قیمت ادا کر کے بشرِ رومہ خرید اور اُسے مسلمانوں کے استفادے کے لئے وقف کر دیا — نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”الْفَأْسُ كَالْمَعَادِنِ“ یعنی ”لوگ معدنیات کی مانند ہوتے ہیں“۔ سونے کی دھات جب ناصاف اور کچی حالت میں ہو تب بھی تو سونا ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ساتھ مٹی، چونا اور دوسری چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس کچی دھات کو کٹھالی میں ڈالنے تو خالص سونا فراہم ہو جائے گا، اس کی مابیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہی بات ہے جو اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے کہ خیارِ کم فی الجاہلیۃ خیارِ کم فی الاسلام ”تم میں سے جو دورِ جاہلیت میں بہترین لوگ تھے وہی اسلام میں بھی بہترین لوگ ہیں“۔ سونا جب تپ تپا کر کٹھالی سے برآمد ہوتا ہے تو زرخالص ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ صدیقین کا ہوتا ہے۔ ان میں جو اوصاف ایمان سے قبل موجود ہوتے ہیں وہ ایمان کی بھٹی میں گزر کر مزید نکھر جاتے ہیں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے صدیق اکبر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرتوں کے دونوں ادوار میں فیاضی اور سخاوت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

غلاموں کو آزاد کرانا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو بالکل آغاز ہی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان لائے تھے، خود فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ایمان کرنے کے بعد میری زندگی میں کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا جس میں میں نے کسی نہ کسی غلام کو آزاد نہ کیا ہو۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ میں کسی جمعہ کو غلام آزاد نہ کر سکا تو اگلے جمعہ کو میں نے دو غلام آزاد کئے۔

حرمِ نبویؐ کی توسیع

مسجد نبویؐ کی توسیع کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ”کون ہے جو

فلاں مویشی خانے کو مول لے اور ہماری مسجد کے لئے وقف کر دے تاکہ اللہ اس کو بخش دے۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار دینار میں یہ قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی کے لئے وقف کر دیا۔

جیشِ غمرہ کے لئے ایثار

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جذبہ انفاق فی سبیل اللہ دیدنی تھا۔ یہ وہ موقع تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس مقام بلند ترین تک پہنچنے کے کل اثاثہ البیت لاکر حضور کے قدموں میں ڈال دیا، گھر میں جھاڑو تک نہ چھوڑی اور جب حضور نے فرمایا کہ ”کچھ فکر عیال بھی چاہئے“ تو اس رفیق غار اور عشق و محبت کے رازدار نے کہا کہ ۔

پردانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

یہی وہ موقع تھا کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ وہ اس مرتبہ انفاق میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جائیں گے، کیونکہ حسن انفاق سے اس وقت خود حضرت عمر فاروق کے بقول، ”اُن کے پاس کافی مال تھا۔ انہوں نے اپنے تمام اثاثے کے دو مساوی حصے کئے، ایک حصہ اہل و عیال کے لئے چھوڑا اور دوسرا حصہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، لیکن جب جناب صدیق اکبر کا یہ ایثار ان کے سامنے آیا کہ گھر میں جھاڑو پھیر کر سب کچھ خدمتِ اقدس میں لاؤ الا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ صدیق اکبر سے آگے بڑھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

ذرا چشمِ تصور سے دیکھئے کہ غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے، سینکڑوں میل دور کا سفر درپیش ہے، سخت ترین گرمی کا موسم ہے، جہاد کے لئے نفیر عام ہے، وقت کی عظیم ترین طاقت سلطنتِ روم سے مسلح تصادم کا مرحلہ سامنے ہے۔ مسجد نبویؐ میں نبی اکرم ﷺ منبرِ تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بار بار ترغیب و تشویق دلا رہے ہیں کہ وہ اس غزوہ کے لئے زیادہ سے زیادہ انفاق کریں، آلاتِ حرب و ضرب اور سامانِ رسد و نقل و حمل مہیا کریں یا اس کی فراہمی کے لئے نقد سرمایہ فراہم کریں۔ اس موقع پر حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ حضور! میری طرف سے ایک سوانٹ مع ساز و سامان حاضر ہیں۔ حضور کو علم ہے کہ کتنی عظیم مہم درپیش ہے اور کتنا ساز و سامان درکار ہے، لہذا حضور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتفاق کی مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ حضور! میں مزید ایک سوانٹ مع ساز و سامان پیش کرتا ہوں۔ حضور لوگوں کو مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسری بار پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ میں ساز و سامان سمیت ایک سوانٹ مزید فی سبیل اللہ نذر کرتا ہوں۔ یعنی اس مرد غنی کی جانب سے اس غزوہ کے لئے تین سوانٹ مع ساز و سامان پیش کئے جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ منبر سے اترے اور دو مرتبہ فرمایا کہ اس کے بعد عثمان کو کوئی بھی عمل (آخرت میں) نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس واقعہ کے متعلق پوری حدیث درج ذیل ہے :

عن عبد الرحمن بن خباب رضي الله عنه قال : شهدت النبي صلى الله عليه وسلم وهو يخطب على تجهيز جيش الغزوة ، فقام عثمان بن عفان ، فقال : يا رسول الله ، عليّ مائة بعير بأخلاصها وأفتابها في سبيل الله ، ثم حصّ عليّ الجيش ، فقام عثمان فقال : يا رسول الله : عليّ مائتا بعير بأخلاصها وأفتابها في سبيل الله ، ثم حصّ عليّ الجيش ، فقام عثمان فقال : يا رسول الله : عليّ ثلاثمائة بعير بأخلاصها وأفتابها في سبيل الله ، فأتا رأيته النبي صلى الله عليه وسلم ينزل على المنبر وهو يقول : ((ما على عثمان ما فعل بعد هذه ، ما على عثمان ما عمل بعد هذه)) (رواه الترمذی)

اسی جیشِ عمرہ کے لئے حضور ﷺ نقدِ سرمائے کے اتفاق کی بھی ترغیب دلاتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مستقر پر جاتے ہیں اور اپنے گماشتوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ

جس قدر بھی نقد سرمایہ جمع ہو سکے فوراً پیش کرو۔ چنانچہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) ایک قسملی میں بھر کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہیں، عثمان غنیؓ حضورؐ کی گود میں وہ اشرفیاں الٹ دیتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جوش مسرت سے چہرہ انورؐ کی رنگت اتنی سرخ ہو جاتی ہے کہ جیسے رخسار مبارک پر سرخ انار نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ یعنی فرط مسرت سے حضورؐ کا چہرہ مبارک گلزار ہو گیا تھا۔ آپؐ جوش مسرت کے ساتھ اپنی گود میں ہاتھ ڈال کر ان اشرفیوں کو بار بار الٹ پلٹ رہے تھے۔ اس موقع پر بھی حضورؐ دو مرتبہ فرماتے ہیں کہ: ”آج کے دن کے بعد عثمانؓ کو (آخرت میں) کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا۔“ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبد الرحمن بن سمرۃ رضی اللہ عنہما، جاء عثمانُ إلى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفِ دِينَارٍ فِي كُمِّهِ حِينَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ، فَتَرَاهَا فِي حَجْرِهِ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَرَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْلِبُهَا فِي حَجْرِهِ وَيَقُولُ: ((مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ — مَرَّتَيْنِ))

(رواہ الترمذی، ورواہ ایضاً احمد فی ”المسند“)

اس کا دور دور بھی امکان نہیں تھا کہ آنحضور ﷺ کی اس بشارت کے برتے پر حضرت عثمان غنیؓ جیسے مؤمن صادق سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی کوئی معصیت صادر ہوگی۔ حضورؐ کا یہ ارشاد دراصل حضرت عثمان غنیؓ کے اس بلند ترین مقام و مرتبہ کے اظہار کے لئے تھا جو انہوں نے اتفاق فی سبیل اللہ کی بدولت حاصل کیا تھا۔

اسی غزوہ تبوک کے سلسلہ میں ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف درپیش آئی اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی۔ دوران سفر ایک مرتبہ سامان خور و نوش ختم ہو گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مناسب سامان اونٹوں پر لا کر حضورؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان

کی وجہ سے دُور سے تاریکی نظر آرہی تھی جس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لوگو! تمہارے واسطے بہتری آگئی ہے۔“ اونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ ان پر سامان لدا ہوا تھا، اتارا گیا۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا ”میں عثمانؓ سے راضی ہوں، اے اللہ، تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو جا۔“ یہ فقرہ حضورؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ ”تم بھی عثمانؓ کے حق میں دعا کرو۔“

فیاضی کی مزید مثالیں

”ازالۃ الخفاء“ ہی میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کے گھروالوں پر چار دن بے آب و دانہ گزر گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا ”اے عائشہ! کہیں سے کچھ آیا؟“ میں نے کہا ”خدا آپؐ کے ہاتھ سے نہ دلوائے تو مجھے کہاں سے مل سکتا ہے!“۔ اس کے بعد حضورؐ نے وضو کیا اور اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ کبھی یہاں نماز پڑھتے کبھی وہاں اور اللہ سے دعا فرماتے۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تیسرے پر حضرت عثمانؓ بلائے آئے، انہوں نے پوچھا ”اے ماں! رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟“ میں نے کہا کہ ”بیٹے! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروالوں نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا۔ آپؐ اسی پریشانی میں باہر تشریف لے گئے ہیں۔“ یہ سن کر حضرت عثمانؓ رو پڑے۔ فوراً واپس گئے اور آٹا، گیہوں اور خرے اونٹوں پر لدوائے اور کھال اتری ہوئی بکری اور ایک قبیل میں تین سو درہم لے کر آئے۔“ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ”حضرت عثمانؓ نے مجھے قسم دلائی کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے، مجھے ضرور خبر کیجئے گا۔“ کچھ دیر بعد حضور ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: ”میرے بعد تم کو کچھ ملا؟“ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسولؐ آپؐ اپنے اللہ سے دعا کرنے گئے تھے اور اللہ آپؐ کی دعا رد نہیں کرتا؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر پھر مسجد میں چلے گئے اور میں نے سنا کہ آپؐ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے تھے

کہ ”اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا، تو بھی اس سے راضی ہو جا!“۔

صدقے میں حضرت عثمانؓ کا مرتبہ بے حد بلند تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کے صدقے کا ایک عجیب ماجرا بیان کیا ہے جو دو دو صدیقی میں پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ بھی شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب ”ازالة الخفاء“ میں درج کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں ایک سال قحط پڑا، سامان خورد و نوش کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فریاد کی تو انہوں نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کل تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ دوسرے روز علی الصبح حضرت عثمانؓ غنیؓ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے تاجر علی الصبح حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے اور ان کو پیشکش کی کہ وہ یہ غلہ ان کے ہاتھ فروخت کر دیں تاکہ بازار میں بیچا جاسکے اور لوگوں کی پریشانیاں دور ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا : میں نے یہ غلہ شام سے منگایا ہے، تم میری خرید پر کیا نفع دو گے؟ تاجروں نے دس کے بارہ (یعنی بیس فیصد منافع) کی پیشکش کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا : مجھے اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے کہا ہم دس کے چودہ (چالیس فیصد منافع) دیں گے۔ آپ نے کہا : مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم سے زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ میں تجارت کرنے والے تو ہم ہی لوگ ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا : مجھے تو ہر درہم کے بدلے میں دس ملتے ہیں۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا : نہیں! حضرت عثمانؓ نے کہا : ”اے تاجرو! میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں یہ تمام غلہ مدینہ کے محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں۔“

حضرت ابن عباسؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ اسی رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ نور کی ایک چھتری آپؐ کے دست مبارک میں ہے اور آپؐ کے جوتے کے تسمے بھی نور کے ہیں اور آپؐ بعلت کسین تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میں آپؐ کا بے

حد مشتاق ہوں، مجھ پر بھی کچھ توجہ فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا: ”میں عجلت میں ہوں، اس وجہ سے کہ عثمان غنیؓ نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا صدقہ قبول کر لیا ہے۔ اس کے عوض جنت میں ان کی شادی ہے، میں اسی میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔“

اللہ! اللہ! یہ ہے اعطاء کی شان، جس کے حامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنیؓ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔ اس وصف میں پیکر اکمل و افضل اور نبی اکرم ﷺ کے عکس کامل ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور صدیق اکبرؓ کے عکس کامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اب ذرا سورۃ الحديد کی ان دو آیات پر ایک نگاہ باز گشت ڈال لیجئے :

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
يُّضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ
اَوَّلٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ لَهُمْ اُجْرُهُمْ
وَنُؤُوزُهُمْ ۝ ﴾ (الحديد : ۱۸، ۱۹)

تقویٰ کی شان

اب آگے چلے اور عثمان غنیؓ کی سیرت میں تقویٰ کے وصف کا جائزہ لیجئے۔ شاہ ولی اللہ نے ”الاستیعاب“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ خود یہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں کبھی بھی نہ تو زنا کیا اور نہ چوری کی“ — یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ صدیق پر دورِ جاہلیت کبھی بھی نہیں آتا، وہ فطرتاً سلیم الطبع اور مکارم اخلاق سے متصف ہوتا ہے۔ زمانی لحاظ سے چونکہ اجراء وحی سے قبل کا دورِ جاہلیت کہلاتا ہے لہذا حضرت عثمانؓ کے قول میں ان کے اسلام سے قبل کے زمانے کے لئے ”دورِ جاہلیت“ استعمال ہوا ہے۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ (رضی اللہ عنہ) نے بھی ایامِ جاہلیت ہی میں، جس میں شراب نوشی اور زنا کو معیوب سمجھنے کے بجائے قابلِ فخر کام سمجھا جاتا تھا، شراب کو اپنے اوپر حرام

کر لیا تھا، اور ان نفوس قدسی کے شکم میں کسی وقت اس ام الخبیث کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا تھا۔ پھر یہ کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی کسی بت کے سامنے کسی قسم کے مراسم عبودیت انجام نہیں دیئے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اس فطرت سلیمہ کا جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ

يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ (متفق علیہ)

”ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔“

یعنی ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ماحول اور ماں باپ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ فطرت سلیمہ منح ہو جاتی ہے اور انسان شرک اور دوسرے ذمائم اور فواحش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر فطرت اپنی صحت و سلامتی پر برقرار رہے تو انسان سے معاصی کا صدور محال ہے۔ اس لئے کہ فطرت اس ہستی کی بنائی ہوئی ہے جو کہ ”فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ اور فاطر انسان ہے۔ چنانچہ ہر نبی اور ہر صدیق فطرت سلیمہ پر برقرار ہوتا ہے۔

نبوت و صدیقیت میں مزاج کے اعتبار سے بڑا قرب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کا دست حنائی کسی ایک پھول کو چن لیتا ہے۔ جیسے ایک باغ میں بے شمار گلاب کھلے ہوتے ہیں لیکن باغبان ان میں سے ایک پھول کا انتخاب کر لیتا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب ”اصطفاء“ اور ”اجتباء“ کہلاتا ہے جس پر انبیاء و رسل فائز ہوئے ہیں اور اسی کو وہی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ محمد رسول اللہ مصطفیٰ بھی ہیں اور مجتبیٰ بھی، صلی اللہ علیہ وسلم! — بقیہ پھولوں کو اگر صدیقین تصور کیا جائے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے ہی نبی اور رسول کی دعوت ان کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے لپک کر اس دعوت پر لپک کہتے ہیں کہ : ﴿وَبَشِّرِ الصَّٰلِحِیْنَ الَّذِیْنَ اٰتٰوْا مَالَهُمْ ذِکْرًا لِّیَلْبِیْھُمْ اَمَّا لَھُمْ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنُوْا﴾ (آل عمران : ۱۹۳) ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو یہ پکارتے ہوئے سنا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر، تو ہم ایمان لے آئے!“ — یہ

صدیقین دعوتِ حق کو قبول کرنے میں ایک لمحہ بھرتوقف و تامل نہیں کرتے بلکہ فوراً تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ تیسرا وصف جس کے حامل تمام صدیقین ہوتے ہیں اور ان نفوس قدسیہ کی فطرت انبیاء کی فطرت سے بہت مشابہہ ہوتی ہے۔ صدیقیت کے اس وصف کے لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ﴿وَصَدَقَ بِالْحَقِّ﴾

حیاء اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے بدی اور برائی سے جو کراہیت اور حجاب رکھا ہے اسی جذبہ صادق کو دین کی اصطلاح میں حیاء کہا جاتا ہے۔ حیاء کا یہ جو ہر انسان کی فطرت میں فاطر کائنات کی طرف سے ودیعت شدہ ہے: ﴿فَالْتَمَهَا فُجُورًا وَتَقْوَاهَا﴾ چنانچہ برا کام کرنے پر انسان کا نفس لواۓ اسے نوکتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ القیامہ کے آغاز میں قسم کھائی ہے: ﴿وَلَا أَفْسِسُ بِالنَّفْسِ الْوَأَمَةِ﴾ اسی کو ہم ضمیر کی غلٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ گناہ کی تعریف یوں فرمائی: ((الْإِنَّمَا مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يُطْلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) (مسلم و الترمذی) ”گناہ وہ ہے جس سے تمہارے سینے میں خلجان پیدا ہو جائے اور تم اس کو ناپسند کرو کہ تمہارا وہ عمل لوگوں کے علم میں آجائے اور لوگ اس پر مطلع ہو جائیں“ پس گناہ کے دو پہلو ہو گئے۔ پہلا یہ کہ اندر سے نفس لواۓ ملامت کرے، سینہ بھیجے۔ دوسرا یہ کہ انسان اس کو ناپسند کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس نے کیسی غلط حرکت کی ہے۔ اسی احساس کا دوسرا نام حیاء ہے اور حیاء کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ)) (مشفق علیہ) ”حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے“۔ اور ایک حدیث میں تو حیاء کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی سند موجود ہے کہ ((أَشَدُّهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ)) اور ((أَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ)) جو اکثر خطیب حضرات جمعہ کے خطبوں میں بیان کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں حیاء کے باب میں حضرت عثمان غنیؓ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ متفق علیہ حدیث ہم نے

ابھی پڑھی ہے کہ ((الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ)) لہذا حضرت عثمانؓ کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ: ”کاملُ الْحَيَاءِ وَالْإِيمَانِ“ تو وہ صدیقِ درست ہے، کیونکہ جو حیاء میں کامل ہو گا وہ ایمان میں بھی کامل ہو گا۔

حضرت عثمانؓ کی حیاء کے بارے میں مسلم شریف میں ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے بیان ہوا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے حجرے میں تشریف فرما تھے اور آپؐ ایک گدیلے پر بے تکلفی سے استراحت فرما رہے تھے [اپنے ذاتی حجرے میں جبکہ صرف اہلیہ موجود ہوں بے تکلفی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کی ساق مبارک کھلی ہوئی ہو اور پورا جسم ڈھکا ہوا نہ ہو۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کو ہمارے اپنے گھروں کے کمروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اُمّاتِ المؤمنین کے حجروں کے طول و عرض کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ اتنا چھوٹا تھا کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی ٹانگیں پھیلائے رکھیں اور حضورؐ نماز تہجد میں پکسانی سجدہ فرما لیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ اُمّ المؤمنین کی ٹانگیں اکثر مصلیٰ پر سجدے کی جگہ آ جاتی تھیں اور حضورؐ سجدے میں جاتے وقت یا تو اُمّ المؤمنین کے پیروں کو ٹھونک دیتے یا پھر ایک طرف ہٹا دیتے۔ اسی چھوٹے سے حجرے میں نبی اکرم ﷺ استراحت فرما رہے ہیں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی موجود ہیں۔]

وہ روایت کرتی ہیں، اطلاع ملی کہ حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے ہیں اور اذن باریابی کے خواہاں ہیں۔ حضورؐ کی اجازت سے حضرت ابو بکر صدیقؓ جہتِ حجرے میں تشریف لائے اور حضورؐ جس حال میں استراحت فرما رہے تھے اسی طرح لیٹے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو بات کرنی تھی کی اور واپس تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی کہ عمر فاروقؓ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور اذن باریابی کے طالب ہیں۔ ان کو بھی اندر آنے کی اجازت مل گئی، وہ آئے، اور حضورؐ اسی طرح لیٹے رہے (حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے اوپر چادر ڈال کر ایک طرف پیٹھ پھیر لی)۔ وہ بھی اپنی بات کر کے رخصت ہو گئے۔ تیسری مرتبہ اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمانؓ غنیؓ بھی ملاقات کرنا

چاہتے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد حضورؐ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرما لئے (تہنند سے ساق مبارک ڈھاکی لی) اور ساتھ ہی مجھے (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو) حکم دیا کہ اپنے کپڑے خوب اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لو (اور پورا جسم ڈھانپ کر دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہ اہتمام کرنے کے بعد) حضرت عثمانؓ غنیؓ کو اذن باریابی ملا۔ وہ بھی حجرہ مبارک میں حاضر ہوئے اور جو بات کرنی تھی کر کے رخصت ہوئے۔

(حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد) میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے آنے پر تو آپؐ نے کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا۔ یہ کیا خاص بات تھی کہ عثمانؓ غنیؓ کے آنے پر آپؐ نے خود بھی کپڑوں کی درنگی کا خاص اہتمام فرمایا اور مجھے بھی ہدایت فرمائی کہ میں خوب اچھی طرح کپڑے لپیٹ لوں؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ ”اے عائشہ! عثمان انتہائی حیادار شخص ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلفی سے لیٹا رہا تو عثمانؓ اپنی فطری حیاء اور حجاب کی وجہ سے وہ بات نہیں کر سکیں گے جس کے لئے وہ آئے تھے اور ویسے ہی واپس چلے جائیں گے۔“ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ”عثمانؓ کی شخصیت تو وہ ہے کہ جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے بھی ان سے حیاء کی ہے۔“ یہ واقعہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے :

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ اسْتَأْذَنَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُصْطَجِعٌ عَلَى فِرَاشِهِ لَا بَشَ مِزْطَ عَائِشَةَ ، فَأَذِنَ لِأَبِي بَكْرٍ وَهُوَ كَذَلِكَ ، فَقَضَى إِلَيْهِ حَاجَتَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ ، ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَأَذِنَ لَهُ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ ، فَقَضَى إِلَيْهِ حَاجَتَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ ، قَالَ عُثْمَانُ : ثُمَّ اسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَجَلَسَ وَقَالَ لِعَائِشَةَ : اجْمَعِي عَلَيَّ ثِيَابَكَ ، فَقَضَيْتُ إِلَيْهِ حَاجَتِي ثُمَّ انْصَرَفْتُ ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، مَا لِي لَمْ أَرَكَ فَرِغْتَ

لَا يَبَىٰ بَكَرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَمَا فَرَعْتَ لِعُثْمَانَ؟ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيٌّ
وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ أَذْنُتُ لَهُ عَلَىٰ تِلْكَ الْحَالِ أَنْ لَا يَبْلُغَ إِلَيَّ فِي
حَاجَتِهِ))

یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیا کا معاملہ! پھر حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں کہ جس روز سے میں نے ایمان قبول کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے اس کے بعد سے میں نے نہ کبھی گانا گایا ہے اور نہ گانے کی تمنا کی ہے، اور پھر یہ کہ اس بیعت کے بعد اپنے واسطے ہاتھ کو جو بیعت کے لئے حضورؐ کے دست مبارک میں دیا گیا تھا، کبھی اپنی شرمگاہ سے مس نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کے الفاظ یہ ہیں: مَا تَغْنَيْتُ وَمَا تَمَنَيْتُ وَلَا مَسَسْتُ ذَكَرِي بِمَعْنَى مَثَلُ مَا يَغْنُ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!

حضرت عثمانؓ کے تقویٰ کے چند مزید احوال

منقول ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں پورا قرآن شریف یاد کر لیا تھا اور کبھی کبھی رات کو نوافل میں پورا قرآن مجید پڑھا کرتے۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ بالکل رسول اللہ ﷺ کے وضو سے مشابہہ ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی لونڈی نے اور زبیر بن عبد اللہ نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ صرف اول شب تھوڑی دیر کے لئے سوتے تھے۔ امام دارالہجرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ حج اور عمرے میں سب سے بازی لے گئے تھے اور یہ کہ آپ اپنے ہمسروں میں صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر تھے۔

مکھوۃ میں روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا: کیا وجہ ہے کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے اتنے اٹکبار نہیں ہوتے جتنا کہ قبر کے ذکر پر ہوتے ہیں۔ آپؓ نے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلْقَبْرِ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ ، فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ
اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدُهُ اَشَدُّ مِنْهُ)) (رواہ الترمذی)
”قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات
پا گیا تو اس کے بعد کے مراحل اس کے لئے آسان تر ہوں گے، اور اگر اس سے
نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے۔“

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ
کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا الْقَبْرَ اَفْطَعَ مِنْهُ))

”میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو بیت ناک نہیں دیکھا۔“

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

”اگر میں دوزخ و جنت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا

معاملہ ہو گا، میرے لئے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا، تو میں اس کا حال

معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جائے کو پسند کروں گا۔“

ان چند واقعات سے اندازہ کر لیجئے کہ جس کے اعطاء، تقویٰ اور حیا کا یہ عالم ہو

تو اس کی فضیلت و منقبت کا کیا کتنا! رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

تصدیق بالحنی

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی﴾ کی پوری شان
نظر آرہی ہے۔ رہا تصدیق بالحنی کا معاملہ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ”السَّائِقُونَ الْاَوَّلُونَ“
میں شامل ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک ایمان لانے والوں میں ان کا پانچواں یا چھٹا نمبر
ہے۔ گویا آپ رضی اللہ عنہ اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے حضرت ابو عبیدہؓ، بن الجراحؓ، حضرت
عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ بن العوامؓ، حضرت سعیدؓ بن زیدؓ، حضرت طلحہؓ اور
حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ سے بھی قبل دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے۔

تو یہ ہیں صدیقیت کے وہ اوصاف ثلاثہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ

میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

صدیقیت و شہادت کے دو نور

سورۃ الحدید کی محولہ بالا آیات میں صدقہ کرنے والے اور اللہ کے دین کے لئے قرض حسن دینے والے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے جہاں اجر عظیم کی نوید سنائی گئی ہے، وہاں ان کو صدیقین و شہداء کے زمرے میں شامل ہونے کا مشرکہ بھی سنایا گیا اور ان کو یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ ان کا اجر اور ان کا نور ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں صدیقیت کے اوصاف بھی موجود ہیں اور پھر وہ شہادت عظمیٰ پر فائز ہوئے ہیں۔ گویا ان کی شخصیت میں صدیقیت اور شہادت کے دونوں نور موجود ہیں۔ اس اعتبار سے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ذوالنورین کے معزز لقب کی صحیح مصداق نظر آتی ہے۔

رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے ایک خاص تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ مقتول نہیں ہوتے۔ چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسولوں کے مغلوب ہونے کا پہلو دکھتا ہے اور مغلوبیت رسول کے شایان شان نہیں، لہذا اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ: ﴿لَا غَلِبَتْنَا وَلَا وَرُسُلُنَا﴾ "لا زما میں اور میرے رسول غالب رہیں گے"۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ حق میں شہادت کا بڑا اشتیاق تھا۔ چنانچہ کتب احادیث میں آنحضور ﷺ کی یہ دعائیں منقول ہوئی ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ شَہَادَۃً فِی سَبِیْلِكَ اور اَللّٰهُمَّ اِزِّقْنِیْ شَہَادَۃً فِی سَبِیْلِكَ — مزید برآں نبی کریم ﷺ کا یہ قول بھی احادیث میں موجود ہے:

((وَالَّذِیْ فُتِسَ مُحَمَّدٌ بِیَدِهِ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْرُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ

فَاُقْتَلَ، ثُمَّ اَغْرُوْا فَاُقْتَلَ، ثُمَّ اَغْرُوْا فَاُقْتَلَ)) (متن علیہ)

"میری یہ آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں (پھر مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔

(مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔“

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، رسولوں کے باب میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ رسول کبھی قتل نہیں ہوتے، کیونکہ اس میں ظاہری طور پر رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو لگتا ہے۔ البتہ انبیائے کرام قتل بھی ہوئے ہیں، جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سانحہ قتل سے ہر مسلمان واقف ہے۔ صدیق اکبرؓ کا بھی اللہ کی وہی سنت کا فرمانظر آتی ہے جو رسولوں سے متعلق ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جو صدیقیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہیں طبعی طور پر وفات پاتے ہیں، جبکہ مابعد کے تینوں خلفاء راشدین حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی حیدر کرار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مرتبہ شہادت سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔ نبی اکرمؐ ان تینوں خلفاء کی شہادت کی پیشگی خبر دے چکے تھے۔ وہ حدیث تو بہت مشہور ہے کہ ایک روز نبی اکرمؐ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ کوہ احد پر تشریف لے گئے تو کوہ احد کا پنے اور لرزنے لگا۔ حضورؐ نے اپنے پائے مبارک سے احد کو ٹھونکا دیتے ہوئے فرمایا کہ ”اے احد تھم جا، رک جا“ اس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی، ایک صدیق، اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔“ (متفق علیہ)

”ذوالنورین“ کی مصداق چند دیگر فضیلتیں

اب ہم اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں اسلام و ایمان کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ایثار و قربانی کی اور کیا کیا فضیلتیں ہیں جن پر ذوالنورین کا معزز لقب صادق آتا ہے۔

(۱) ذو ہجرتوں کا شرف : کتب احادیث میں منقول ہے کہ حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ شامل تھے۔ آپ کے ساتھ آپؐ کی زوجہ محترمہ، رسول اللہؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔ اس ہجرت کے متعلق نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد (شوہرو

بیوی ایک ساتھ) ہجرت کرنے والا یہ پہلا جوڑا ہے۔ یہ روایت امام حاکم نے اپنی مستدرک میں عبد الرحمن بن اسحاق بن سعد سے روایت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔“ اس سے غالباً جوانی کے عالم میں میاں بیوی کا ہجرت کرنا مراد ہے۔ آپ کی دوسری ہجرت مدینہ النبی کی طرف ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو راہ حق میں ہجرتین کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی آپؓ ذوالقرنین کے لقب کے مصداق قرار پا سکتے ہیں۔

(ii) ذوالقرنین اور اصحاب کف سے مماثلت : جن حضرات نے سورہ کف کا منظر غائر مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کے دوسرے رکوع میں اصحاب کف کا واقعہ بیان ہوا ہے اور سورہ کے آخری رکوع سے ما قبل حضرت ذوالقرنین کی فتوحات کے تذکرے کے ساتھ ہی ان کی سیرت میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے اوصاف کو نمایاں کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ذوالقرنین ایک خدا پرست، خدا ترس اور نیک بادشاہ تھے۔ قرآن شہادت دیتا ہے کہ ﴿إِنَّا مَكْنُكُلَهُ لِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبْتًا﴾ واقعہ یہ ہے کہ وہ اُس دور کی ایک عظیم ترین سلطنت کے شہنشاہ تھے۔ اصحاب کف کون تھے؟ از روئے قرآن یہ وہ نوجوان تھے جو ایک مشرکانہ ماحول اور مشرک بادشاہ کے دور میں توحید کے ساتھ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، جس کی وجہ سے ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور وہ نوجوان اپنا ایمان اور اپنی جان بچانے کے لئے ایک پہاڑ کی کھوہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ان دونوں واقعات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انتہائی حالات ہیں جن سے اس دنیا میں اہل ایمان کو سابقہ پیش آ سکتا ہے۔ اصحاب کف جیسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن میں ایمان اور جان بچانے کے لئے کہیں پناہ گزیں ہونا پڑے اور حضرت ذوالقرنین کی طرح یہ صورت حال بھی پیش آ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے فضل سے سطوت، شان و شوکت اور ایک عظیم سلطنت سے نوازے۔ اب آپ خلافت راشدہ کی تاریخ میں دیکھئے کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات میں یہ دونوں

شائیں اور کیفیات مجتمع نظر آئیں گی۔ حضرت عثمانؓ کی سطوت، حکومت اور سلطنت وسعت کے اعتبار سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت و حکومت سے سہ چند تھی۔ تاریخی لحاظ سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی حدود مکران سے لے کر بحیرہ روم کے ساحل تک تھیں۔ اس میں دارا اول کے دور میں مزید وسعت ہوئی، لیکن اس سلطنت کا حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود سے کوئی تقابل نہیں ہے۔ پورا جزیرہ نمائے عرب، پھر حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی جو مشرقی سرحد تھی، اس سے لے کر تاجک کا شغریٰ علاقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں اسلام کے پرچم تلے تھا۔ اس کے علاوہ پورا شمالی افریقہ مصر سے لے کر مراکش تک حضرت عثمانؓ کے زیر نگیں تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں صرف مصر اسلامی مملکت میں شامل ہوا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کی حدود سلطنت ماوراء النہر کو پھانڈ کر بلخ و بخارا اور کا شغریٰ تاشقند تک وسیع ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ اصحاب کف جیسی حالت سے بھی دوچار ہوئے اور آپؓ قفقہ کے زمانے میں باغیوں کی دست درازیوں کی وجہ سے چالیس دن رات سے بھی زیادہ عرصہ اپنے گھر میں اس حال میں محصور رہے کہ پینے کے لئے پانی تک موجود نہیں — یہ دونوں شائیں کہ حضرت ذوالقرنین سے سہ چند سطوت و سلطنت اور اصحاب کف کی طرح محصور و پناہ گزینی، حضرت عثمانؓ کی زندگی میں جو نظر آتی ہیں، ان کو بھی ہم ذوالنورین کے لقب کا مصداق قرار دے سکتے ہیں۔

(iii) غزوہ بدر اور حدیبیہ میں آپؐ کا موجود تصور کیا جانا : حضرت عثمانؓ کی زندگی میں دو ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ آپؓ ذاتی حیثیت سے موجود نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود قرار دیئے جاتے ہیں — پہلا واقعہ غزوہ بدر کے موقع پر پیش آیا۔ اُس وقت حضرت رقیہؓ کافی علیل تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر حضرت عثمانؓ کو اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ آپ کو بدر کی شرکت کا ثواب اور اس کا حصہ ملے گا۔ مزید برآں صحیح روایات میں مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد، جس میں اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ بے سرو سامان مسلمانوں کے جتنے کو

کفار کے ایک ہزار کے مسلح لشکر جرار پر فتح عنایت فرمائی تھی، جس کے نتیجہ میں ابو جہل سمیت ستر صنادید عرب کا فرکیت رہے تھے اور قریش کا سارا غرور اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا تھا اور جس میں ستر کے قریب کفار مسلمانوں کی قید میں آئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے غنائم میں سے حضرت عثمانؓ کو وہی حصہ مرحمت فرمایا جو دوسرے بدری صحابہؓ کو مرحمت کیا گیا تھا۔ گویا حضرت عثمانؓ کو اس غزوے میں مجازی طور پر شریک قرار دیا جبکہ حقیقی طور پر وہ شریک نہیں تھے۔

دوسرا واقعہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۶ھ میں نبی اکرم ﷺ عمرے کی نیت سے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں معلوم ہوا کہ قریش مکہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں اور انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے خون کی ندیاں بہ جائیں، وہ مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ قریش مکہ کے پاس سفارت بھیجی جائے جو ان کو سمجھا سکے کہ مسلمان لڑائی کی غرض سے نہیں آئے ہیں اور ان کا مقصد صرف عمرہ ادا کرنا ہے، نیز ان مسلمانوں کو بھی تسکین دے سکے جو مکہ میں محصوری کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور کفار مکہ کے جو روستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سفارت کے لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کا انتخاب فرمایا اور ان کو قریش مکہ سے سلسلہ جنباتی کرنے اور ان مسلمانوں کو جو مکہ میں قید میں تھے، تسلی دینے کے لئے مکہ روانہ فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ انتخاب حضرت عثمانؓ کی بہت سی فضیلتوں کی دلیل ہے۔ پہلی یہ کہ حضرت عثمانؓ حضورؐ کے معتمد علیہ اصحاب میں شامل ہیں۔ دوسری یہ کہ حضرت عثمانؓ قریش کے نزدیک بھی معزز ترین اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ تیسری یہ کہ جب حضرت عثمانؓ مکہ چلے گئے تو اصحاب رسولؐ میں سے چند ایک نے یہ کہا کہ عثمانؓ کو خانہ کعبہ کا طواف مبارک ہو۔ حضورؐ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ ”مجھے یقین ہے کہ اگر عثمانؓ مکہ میں زمانہ دراز تک رہیں تو بھی وہ اُس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں طواف نہ کر لوں۔“ اللہ! اللہ! کتنا اعتماد تھا حضورؐ کو جناب عثمانؓ پر — اور ہوا بھی یہی کہ

حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید بن عاص نے ان کو مکہ میں اپنی پناہ میں لے لیا، اور ان کو دعوت دی کہ وہ طواف کر لیں۔ لیکن اس محب رسولؐ نے کہا کہ ”جب تک نبی اکرم ﷺ طواف نہیں کر لیں گے میں طواف نہیں کر سکتا۔“ چوتھی یہ کہ جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ والوں نے شہید کر ڈالا ہے، تو حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے تمام صحابہ کرام سے بیعت لی، جن کی تعداد مختلف روایات کے مطابق ۱۴۰۰ سے لے کر ۲۴۰۰ تک بیان ہوئی ہے اور جو ”بیعت رضوان“ کے نام سے مشہور ہے۔ نیز جس کے متعلق سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (اے نبی!) بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اُس کو (یعنی اللہ کو) معلوم تھا۔ اُس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو انعام میں فتح قریب بخشی۔“

غور کیجئے خون عثمانؓ کی نگاہ میں اتنی قدر و منزلت اور وقعت تھی کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے نبی اکرم ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے ہیں — یہی وہ دوسرا موقع ہے جس میں حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے حقیقی طور پر موجود نہ ہونے کو بھی مجازی طور پر موجود قرار دیا۔ چنانچہ ”بیعت رضوان“ کے موقع پر حضورؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ ”یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے“ اور بایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ ”یہ میرا ہاتھ ہے“ اور یہ فرما کر اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ ”یہ عثمانؓ کی طرف سے (اگر وہ زندہ ہیں) بیعت ہے“۔ یہ حضرت عثمانؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ موجود نہ ہوتے ہوئے بھی ”بیعت رضوان“ میں داخل ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ اس لئے روانہ کیا تھا کہ مکہ والوں کے نزدیک آپؐ سے زیادہ کوئی صاحب عزت نہ تھا۔ بیعت رضوان آپؐ کے قتل کی خبر پھیلنے کے بعد ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا اور اسے دوسرے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے۔“

اللہ! اللہ! خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تقریباً

۲۴۰۰ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بیعت پر اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اظہار فرماتا ہے۔ اس کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں کوئی شک کرے، ان کی تنقیص کرے، ان پر اعتراضات و اتهامات وارد کرے اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ کا جواب بھی سوچ لے۔

غزوہ بدر اور حدیبیہ دونوں مواقع پر اگرچہ حضرت عثمانؓ کا حقیقی طور پر موجود نہیں ہیں لیکن حضور ﷺ ان کو مجاوی طور پر موجود قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ”ذوالنورین“ کا لقب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بالکل راست آتا ہے!

(iv) دورِ فاروقی اور دورِ علوی کی جھلک : حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حضرت عمر فاروق اور حضرت علیؓ حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ادوار خلافت کے رنگ بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں اصحاب رسولؐ نہ صرف عشرہ مبشرہ میں بلکہ مسلمہ طور پر خلفائے راشدین میں شامل ہیں، اور فضیلت کے لحاظ سے پوری امت میں حضرت عمر فاروقؓ دوسرے نمبر پر اور حضرت علیؓ چوتھے نمبر پر فائز ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مراحل سے گزر کر تیس سالہ جاں نسل جدوجہد اور محنت شاقہ کے بعد اپنی بعثت کے اس امتیازی مقصد کی تکمیل فرمادی، جو خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپؐ کا فرض مسمیٰ تھا، اور جو قرآن حکیم میں تین مرتبہ بایں الفاظ میں بیان ہوا ہے : ﴿هُوَ الَّذِي أَوْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ ”وہی ہے (اللہ) جس نے مجھ کو اپنا رسول الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ اسے غالب کر دے کل جنس دین پر“۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین بہ تمام و کمال قائم ہو گیا اور ﴿إِنَّا نَحْكُمُ بِاللَّهِ﴾ کی شان بالفعل نظر آنے لگی اور ﴿وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ کے مصداق اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند و بالا ہو گیا۔

ختم المرتبت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، عرب میں اسلامی انقلاب کے خلاف ایک شدید رد عمل پیدا ہوا۔ چنانچہ بہت سے جموٹے

مدعیان نبوت کھڑے ہو گئے، چند قبائل مرتد ہو گئے، بعض مضبوط قبائل نے زکوٰۃ بھی ادا نیگی سے انکار کر دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں کو فرو کیا۔ دراصل صدیق کا مقام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول کے کام کو مستحکم کرتا ہے، معاندین کی قوت کو کچلتا ہے اور ہر رد عمل کو ختم کرتا ہے۔ چنانچہ صدیق اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ڈھائی سالہ دور خلافت اسی شان کا منظر نظر آتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد وہ بھی رخصت ہو گئے۔

اس کے بعد دورِ فاروقی شروع ہوتا ہے، جس کو ایک جملہ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ باغ اپنی پوری بہاری پر آگیا — حقیقت یہ ہے کہ خلافت راشدہ دورِ فاروقی میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اس دور میں داخلی استحکام کے ساتھ فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اسلامی سلطنت میں اصل توسیع دورِ فاروقی میں ہوئی ہے۔ سلطنت کسریٰ کا نام و نشان اسی دور میں صفحہ ہستی سے محو ہوا اور وہ ایک داستان پارینہ بن کر رہ گئی۔ سلطنت روما کی بھی ایک ٹانگ اسی دور میں ٹوٹ چکی تھی۔ قیصر روم کا تین براعظموں مغربی ایشیا، یورپ اور شمالی افریقہ کے اکثر حصہ پر تسلط تھا، اس میں سے مغربی ایشیا کی حد تک روما کی سلطنت کا اسی دور میں خاتمہ ہوا — اور پھر دورِ عثمانی میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں ماوراء النہر تک پھیل گئی کئیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اُس وقت کا لیبیا، تیونس، الجزائر، اور مراکش حضرت عثمان کے دور میں اسلام کے پرچم تلے آچکا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ شاید یہ فتنہ اور فساد ہی کا دور تھا — یہ بہت بڑا مغالطہ، بلکہ صریح بہتان و انفراف ہے۔ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ طویل دورِ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت ابو بکر کا دور تقریباً ڈھائی سال رہا، حضرت عمر کا دور تقریباً دس سال رہا، حضرت علی کا دور تقریباً پونے پانچ سال اور حضرت عثمان کا دور تقریباً بارہ سال رہا۔ خلافت عثمانیہ کے اس بارہ سالہ طویل دور میں فاروقی اور علوی دورِ خلافت کے دونوں رنگ موجود ہیں۔ حضرت عثمان کے دورِ خلافت کے پہلے آٹھ سال میں امن و امان اور دبدبہ کا وہی رنگ رہا ہے جو دورِ فاروقی میں نظر آتا ہے۔ ان آٹھ سالوں میں وہی عدل و انصاف اور داخلی استحکام کی وہی کیفیت ہے جو دورِ فاروقی کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ ساتھ ہی

ساتھ مجاہدین اسلام کے قدم آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اسلامی حکومت قائم نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے فوراً بعد بعض مفتوحہ خاص طور پر ایران کے اکثر علاقوں میں شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوئیں، لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے ان میں سے ایک ایک کو فرو کمر دیا اور حالات پر پوری طرح قابو پایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے لئے نئے نئے اقدامات کئے۔ بحر اوقیانوس کے ساحل تک شمالی افریقہ فتح ہو گیا۔ یہ جنگ، جنگ عبادلہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی شرح اس مم کے کمانڈر انچیف تھے اور اس میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شریک تھے۔ اسی جنگ کے نتیجے میں پورے شمالی افریقہ کی قسمت بدل گئی اور سلطنت روما کا جھنڈا وہاں سرنگوں ہو گیا اور دین مبین کا پرچم لہرانے لگا۔

عثمانی خلافت کے آخری چار سال حضرت علیؓ کے دور خلافت کے مماثل نظر آتے ہیں۔ خلافت عثمانی میں یہودیوں اور عجمیوں کی سازشوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور اس فتنے کے نتیجے ہی میں شہادت عثمانؓ کا سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا اور یہ فتنہ حضرت علی حیدرؓ کے دور خلافت میں اپنے عروج پر پہنچا۔ علوی خلافت کے تقریباً پونے پانچ سال اسی فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہوئے اور اسی دور میں جنگ جمل اور جنگ صفین ظہور پذیر ہوئیں اور بالآخر اسی فتنے نے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ کی شمع حیات گل کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں غلبہ دین کی سمت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا، نہ اسلامی سلطنت کی سرحدیں آگے پھیلیں۔ — بہر حال یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عثمانی دور خلافت میں دور فاروقی اور دور علوی دونوں کی کیفیات جمع ہیں۔ پہلے آٹھ سال دور فاروقی کا کامل عکس نظر آتے ہیں جبکہ آخری چار سال وہ ہیں جن میں دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں نے سر اٹھانا شروع کیا تھا، جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کئے گئے اور جو دور خلافت علوی میں ایک ہولناک فتنے کی شکل

میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ چنانچہ مسلمان آپس ہی میں دست و گریبان ہو گئے اور چور اسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں سے تیغ ہوئے۔ کفار کے ساتھ اس دور میں جنگ و قتال کا کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ اس فتنہ اور سازش کے اسباب کچھ اختصار کے ساتھ آگے بیان ہوں گے، یہاں صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ ایسے فتنوں کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں جو نظروں کے سامنے ہوتے ہیں اور کچھ مخفی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں جو نظر تو نہیں آتے لیکن فیصلہ کن کردار یہی مخفی و باطنی اسباب ادا کرتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ علوی دور خلافت میں جو بد امنی، خانہ جنگی اور مسلمانوں کے مابین خون ریزی ہوئی تو حاشا و کلا اس کا کوئی الزام ہم امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر نہیں لگاتے۔ یہ جسارت ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ پوری امت مسلمہ کے نزدیک حضرت علیؑ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ وہ فضیلت کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ گویا ہم ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد سب سے زیادہ افضل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتے ہیں۔ اس فتنہ و فساد میں ان کی کوئی کمزوری شامل نہیں تھی، وہ برحق خلیفہ راشد تھے۔ صورتحال یہ تھی کہ سازش کی آگ اس طرح بھڑکا دی گئی تھی کہ نہ حضرت عثمانؓ اس کو فرو کر سکے اور نہ ہی حضرت علیؓ۔ اگر حضرت علیؓ فتنہ و فساد فرو نہ کر سکے تو اس کا ذرہ بھر الزام بھی حضرت علیؓ کی ذات گرامی پر نہیں آتا۔ بالکل یہی بات حضرت عثمانؓ پر بھی راست آتی ہے۔ اگر وہ فتنہ کو فرو نہ کر سکے تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ سارا الزام آپؓ پر رکھ دیا جائے۔ کیا تضاد ہے کہ ایک خلیفہ کے زمانے میں پورا دور خلافت فتنہ و فساد کی نذر ہو گیا اور وہ فتنہ اتنا شدید تھا کہ وہ حالات پر قابو نہ پاسکے اور فتنہ کو فرو نہ کر سکے تب بھی وہ سب کی نگاہ میں شیر خدا ہیں اور کسی دوسرے کے دور میں جبکہ ان کا دور تہائی دور، دورِ فاروقی کے مثل ہو اور صرف ایک تہائی دور میں فتنہ و فساد سر اٹھائے تو ان کے بارے میں یہ حکم لگایا جائے کہ وہ کمزور تھے، ان میں فلاں نقص تھا یا فلاں کمی تھی وغیرہ۔ انسان ذرا بھی سوچے اور انصاف نبی سے کام لے تو فکر کا یہ تضاد بالکل مبرہن ہو کر سامنے آجائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے طرز فکر پر انتہائی

لال اور افسوس ہوتا ہے جو کیسی کیسی بے بنیاد باتوں کو بنیاد بنا کر حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن پیدا کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر رحم آتا ہے جو ان پر اعتبار کر کے حضرت عثمان ذوالنورینؓ بیٹھو کے متعلق اپنی رائے کو مجروح کر لیتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

ذوالنورینؓ کے خلاف اعتراضات کی حقیقت

آپ کو شاید معلوم ہو کہ معاندین عثمانؓ نے دور عثمانی ہی میں حضرت عثمانؓ پر مسجد نبویؐ میں صحابہؓ اور تابعین کے بھرے مجمع میں بارہ الزامات اور اعتراضات عائد کئے تھے جن کی مصفاؓ حضرت عثمانؓ نے اسی مجمع میں پیش کر دی تھی جس کی تصویب و تائید خود حضرت علیؓ اور دیگر اکابر و اعظم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی تھی۔ مفندین نے بعد میں جب یورش کر کے مدینہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو اس موقع پر حضرت علیؓ نے باغیوں کے ایک گروہ سے پوچھا کہ آخر ان کو خلیفہ وقت اور امیر المومنین سے کیا شکایت ہے؟ ان لوگوں نے ان ہی بارہ اعتراضات کا اعادہ کر دیا، جن کی مصفاؓ حضرت عثمانؓ ایک بھرے مجمع میں کر چکے تھے اور دوسرے اکابر صحابہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی اس کی تصویب و تائید اور توثیق کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس موقع پر بھی اس گروہ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی طرف سے پیش کردہ مصفاؓ اپنی تصویب کے ساتھ پیش کر دی اور ان کے عائد کردہ تمام الزامات و اعتراضات سے حضرت عثمانؓ کو بری قرار دیا۔ یہ اور بات ہے کہ مغضوبوں کے ارادے ہی خراب تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کی تصویب و تائید کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عصر حاضر کے ایک صاحب علم اور صاحب قلم جنہوں نے دین کی خدمت میں کافی مفید کام کئے ہیں اور جن کا بلاشبہ چوٹی کے اہل فکر علماء میں شمار ہوتا ہے، اپنی ایک کتاب میں ان ہی بارہ الزامات و اعتراضات کو بیان کرتے ہوئے حضرت عثمان ذوالنورینؓ بیٹھو پر ایسی تنقید کی ہے جس سے صریح طور پر آپؓ کی تنقیص ہوتی ہے اور آپؓ کے خلاف سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ اسی کتاب کے ایک باب میں حضرت عثمانؓ کے علاوہ حضرت امیر معاویہؓ اور

حضرت عمرو بن العاصؓ پر بھی دل آزار تنقید کی گئی ہے، جس سے مسلمانانِ پاک و ہند کے قلوب انتہائی مجروح ہوئے ہیں اور ”اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے“ والا معاملہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ اس پر ایک گروہ کی طرف سے تو خوشنودی کے ڈوگرے برسائے گئے اور بظاہر بھائی گنیں کہ دیکھ لو، یہ ”سنی“ بھی وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو ہم کہتے آئے ہیں۔ پھر سنی بھی کس پائے کے! وہ جو مفکر اسلام اور مفسر قرآن ہیں — یہ درحقیقت ہماری بدقسمتی اور شامت اعمال ہے۔

ویسے اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ میں سے مردہ اور مردے میں سے زندہ برآمد کرتا ہے اور شرمیں سے خیر نکال لاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دل آزار کتاب کے نتیجے میں تاریخی لڑچکریں بالخصوص بہت سی مفید کتابوں کا اضافہ ہوا۔ ہمارے ہاں تحقیق و محقق کے کام میں عرصہ سے جو فحطل و جمود تھا، وہ ٹوٹا۔ چنانچہ تاریخ کو از سر نو کھنگالایا اور اس کتاب میں حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاصؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی، اس کا ازالہ کیا گیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر مرزا محمد منور صاحب نے ”میشاق“ میں ایک بڑا پیارا جملہ لکھا تھا کہ: ”حضرت عثمانؓ پر لگائے ہوئے الزامات و اعتراضات کا اعادہ کر کے اپنی تنقید کی تعمیر کی بنیاد قائم کرنے والے ان مشہور مصنف کے نزدیک شاید حضرت علیؓ کی حیثیت (نحوذ باللہ) کرائے کے وکیل کی تھی، جنہوں نے غالباً فیس لے کر حضرت عثمانؓ کی مدافعت کی تھی....“

سوچنے کا مقام ہے کہ جن اعتراضات و الزامات کی صفائی کی حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے پوری دیانت داری سے تصویب و توثیق کی ہو، کیونکہ آپؓ کی امانت و دیانت ہمارے نزدیک مسلم ہے، تو پھر چودہ سو سال بعد بلوائیوں کے الزامات کا اعادہ کرنا کیا حضرت علیؓ کی بھی تنقیص نہیں ہوگی؟ کیا اس طرح ان کی امانت و دیانت مجروح نہیں ہوگی اور ان کی ذات پر حرف نہیں آئے گا؟ اللہ شرورِ نفس سے بچائے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اچھے اچھے معقول لوگ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں — یہ اسی کتاب کی تنقیدوں کا شاخسانہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر ہمارے کتنے ہی سنی بھائی حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن میں مبتلا ہو

گئے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو حضرت امیر معاویہؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کے نام ادب سے نہیں لے سکتے بلکہ ان کی شان میں گستاخانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ذہنوں کو اتنا مسموم کر دیا گیا ہے کہ خود سنیوں کے ایک گروہ میں 'چاہے وہ تعداد کے لحاظ سے قلیل ہی کیوں نہ ہو' ان تینوں جلیل القدر صحابہؓ کے علاوہ بہت سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف سوئے ظن پیدا ہو گیا ہے، جن میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ بھی شامل ہیں۔

صحابہؓ پر تنقید آنحضورؐ کی تنقیص ہے

اس موقع پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص صحابہ کرامؓ اور بالخصوص خلفائے راشدینؓ، 'عشرہ مبشرہ'، اصحاب بدرؓ، اور اصحاب بیعت رضوان (رضی اللہ عنہم) پر تنقید کرتا ہے، ان کی تنقیص کرتا ہے، ان پر زبان طعن دراز کرتا ہے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتا تو معاملہ اس حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ خالص علمی تجزیہ کیا جائے تو اس کی زد میں سرور عالمؐ، محبوب خداؐ، خاتم النبیینؐ، والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی آجاتی ہے۔ اس لئے کہ کسی کے تربیت یافتہ اور شاگرد میں کوئی کمی یا نقص یا کوئی تقصیر ہو تو مربی، معلم اور استاد اس سے بالکل بری نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ اسی بات کو حضورؐ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے :

((اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ ، لَا تَقْعُدُوْهُمْ غَرْصًا بَغْدِیْ ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِاِبْغَضِیْ اَبْغَضَهُمْ ، وَمَنْ اَآذَاهُمْ فَقَدْ اَآذَانِیْ ، وَمَنْ اَآذَانِیْ فَقَدْ اَآذَى اللّٰهَ ، وَمَنْ اَآذَى اللّٰهَ فَبِیْوَسْكَ اَنْ یَّأْخُذَهُ)) (رواہ الترمذی)

”میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ پس جس شخص نے ان کو محبوب جانا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب جانا اور جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان

کے ساتھ بغض رکھا۔ اور جس شخص نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی، اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو وہ عنقریب اس کو گرفت میں لے لے گا۔“
یہ وہ حدیث ہے جو تقریباً ہر خطبہ جمعہ میں ہمارے خطباء سناتے ہیں۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا تاریخی پس منظر

اب ہم شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تاریخی پس منظر اور ان اسباب و علل کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں جن کے نتیجے میں یہ سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہر واقعہ کے کچھ اسباب ظاہری ہوتے ہیں اور کچھ باطنی اور مخفی۔ اور دراصل مؤثر کردار یہ باطنی و مخفی اسباب ہی ادا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر ظاہری اسباب نظروں کے سامنے ہوتے ہیں لہذا ان مخفی اسباب کی طرف توجہ بہت کم مبذول ہوتی ہے بلکہ وہ نظر ہی نہیں آتے۔ آپ تاریخی اعتبار سے اس پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیاب فرمایا، آپ کو غلبہ عنایت کیا اور آپ کے مشن ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں تکمیل ہو گئی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے مشن اور اسلام کے پیغام کو لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہر نکلے تو جو لوگ مفتوح ہوئے اور جن لوگوں نے شکست کھائی، غور کیجئے کہ وہ کون کون لوگ تھے! یہ دو بڑے بڑے گروہ تھے۔ پہلا وہ جس نے مذہبی طور پر اور دوسرا وہ جس نے سیاسی طور پر شکست کھائی۔

• مذہبی گروہ میں سے مشرکین عرب کا تو تیاپا نچا کر دیا گیا۔ ان کے حق میں تو سورۃ التوبہ کی وہ آیات نازل ہو گئیں کہ ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت ہے، اگر اس کے اندر یہ ایمان لے آئیں تو اس سر زمین میں رہ سکتے ہیں، اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر یہ مشرکین اس چار ماہ کی مہلت سے فائدہ نہ اٹھائیں، یعنی نہ ایمان لے آئیں، نہ ترک وطن

کریں تو تم ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو :

﴿ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَأَخْصِرُواهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۝

”پس جب محترم مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو“

ان آیات نے فیصلہ کر دیا کہ مشرکین عرب کے ساتھ کوئی زور رعایت اور کوئی نرمی کا معاملہ نہیں ہوگا۔ اب شرک پر ڈٹے رہنے کے سبب سے ان کو یہ تیغ کر دیا جائے گا اور ان پر عذاب استیصال کی سنت اللہ پوری ہوگی جو ان قوموں کے لئے مقرر ہے جن کی طرف رسول براہ راست مبعوث کئے جاتے ہیں۔ اور حضور ﷺ ان ہی میں سے اٹھائے گئے تھے اور حضور کی دعوت کے اولین مخاطب یہی لوگ تھے — لیکن یہود و نصاریٰ کو ایک رخصت دی گئی کہ تم اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہو، البتہ تمہیں چھوٹا بن کر اور مغلوب بن کر رہنا ہو گا اور جزیہ ادا کرنا ہو گا :

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ

مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا

الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

”جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان

نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام

نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں مانتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ

اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے ہو کر رہیں۔“

یہ رعایت تھی جو اہل کتاب کے ساتھ اسلام نے کی۔ اس رعایت سے اہل کتاب بالخصوص یہود نے غلط فائدہ اٹھایا۔ ان میں جو شِ انتقام پہلے ہی سے موجود تھا، ان کی مذہبی سیادت ختم ہو چکی تھی اور ان کے نام نہاد تقویٰ کا بھرم کھل چکا تھا۔ ان کی حیثیت عرب میں بالکلیہ مغلوب اور ذمی کی ہو گئی تھی جس پر جزیہ کی ادائیگی ان کے لئے بڑی شاق تھی۔

اہل کتاب کے ساتھ قرآن مجید میں جو معاملہ کیا گیا ہے، اس کے بھی دورِ رخ ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت میں جزیرہ نمائے عرب میں جو نصاریٰ تھے، ان کی قرآن نے کہیں کہیں تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ ان میں خدا ترس لوگ موجود تھے، ان میں قبولِ حق کی استعداد تھی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نصاریٰ سے کوئی مسلح تصادم اور معرکہ بھی پیش نہیں آیا۔ جبکہ یہود کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر قرآن میں بڑی شدید تنقیدیں ہوئی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے دس رکوعات میں (جو تھے رکوع سے چودھویں رکوع تک) مسلسل ایک قراردادِ جرم ہے جو یہودیوں پر عائد کی گئی ہے۔ پھر ان کے تین قبیلوں کو مدینہ سے نکالا گیا۔ ایک قبیلے کی تعدی و سرکشی اور بد عہدی کی وجہ سے خود ان کے مقرر کردہ حکم کے فیصلے کے مطابق ان کے جنگ کے قابل تمام مردوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ پھر خیبر، جو ان کا مضبوط ترین گڑھ تھا، جہاں مستحکم قلعہ بندیاں تھیں، اور جہاں مدینہ سے نکلے ہوئے تمام یہودی جمع تھے اور وہ ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھے، وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ لہذا سب سے زیادہ زخم خوردہ یہود تھے۔ عیسائی بھی زخم خوردہ تھے لیکن ان کا معاملہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا یہودیوں کا تھا۔ لہذا انتقام کے لئے سب سے پہلے یہودیوں نے ریشہ دوانیاں اور سازشیں کیں۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جتنا عظیم سازشی ذہن اس قوم کا ہے اور اس میں اس کو جو مہارتِ ماتمہ حاصل ہے اس کا کوئی دوسری قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہندوؤں کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قوم بھی بڑا سازشی ذہن رکھتی ہے، تو جدید تحقیق یہ ہے کہ ہندو قوم بھی نسلی اعتبار سے یہودی ہے اور یہ قوم یہودیوں کے گم شدہ قبائل (Lost Tribes of Israil) سے تعلق رکھتی ہے۔ لہذا یہود و ہندو میں جہاں قافیہ ایک ہے وہاں مزاجی کیفیت میں بھی بڑی یکسانیت ہے۔

یہ یہودی سازشی ذہن ہی کا شاخسانہ ہے کہ حضرت مسیح ﷺ کی دعوتِ توحید کے چشمہ صافی میں سب سے زیادہ گھٹاؤ نا اور عریاں ترین شرک شامل کر دیا گیا اور اس طرح حضرت عیسیٰ ﷺ کی پوری امت کو بدترین شرک میں مبتلا کر دیا گیا۔ یعنی حضرت مسیح ﷺ

کو باقاعدہ اللہ کا صلیبی بیٹا قرار دے دیا گیا اور ان کو الوہیت میں شریک ٹھہرایا گیا۔ پھر روح القدس کو، جس سے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریم، اقا نیم ملائکہ میں شامل کر کے اس طرح تثلیث کا عقیدہ گھڑا گیا۔ یہ کام اُس انتہائی متعصب یہودی نے انجام دیا جو کہ سینٹ پال کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اُس نے بظاہر عیسائیت قبول کی اور پھر دین عیسوی کے بچنے اور بڑھنے کی خاطر اسی سازشی ذہن کا پیکرِ کامل بن کر ایک یہودی عبد اللہ بن سہاق تھا، جو بظاہر مسلمان ہوا اور اُس نے مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشی ریشہ دو انیاں شروع کیں۔ اس شخص نے اہل بیت کی محبت کا جھوٹا لیکن دل فریب لبادہ اوڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نو مسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مہم شروع کر دی اور ان سیدھے سادے نو مسلم عوام کی عقیدتوں کا رخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا۔

دوسری جانب سیاسی اعتبار سے دیکھئے، جب اسلام کو عروج حاصل ہوا تو دنیا میں دو عظیم مملکتیں تھیں، ایک سلطنتِ روم، جو تین براعظموں تک وسیع تھی اور یورپ کے اکثر ممالک، مغربی ایشیا کے چند علاقے اور شمالی افریقہ کے تقریباً تمام ممالک قیصر روم کے زیرِ نگیں یا باج گزار تھے۔ دوسری عظیم سلطنت کسریٰ کی تھی، یعنی ایران۔ خلافتِ راشدہ خصوصاً دورِ فاروقی میں سلطنتِ کسریٰ کی دھجیاں اڑ گئیں، بلکہ اس کا تو وجود ہی صفحہ ہستی سے محو ہو گیا۔ یہ نتیجہ تھا اس گستاخی کا جو خسرو پرویز نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ کی تھی، جس کے ذریعے اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ حضورؐ نے تو اُسی وقت فرما دیا تھا کہ کسریٰ نے میرا نامہ چاک نہیں کیا بلکہ اپنی سلطنت کے پرچے اڑا دیئے۔ اس گستاخی کی اسے نقد سزا تو یہ ملی کہ اسی وقت سے ایران میں خلافتی سازشوں نے سر اٹھایا جن کے نتیجے میں خسرو پرویز قتل ہوا اور یکے بعد دیگرے مختلف افراد تختِ کسریٰ پر چڑھ گئے۔ جبکہ سلطنتِ روم کی تو صرف ایک ٹانگ ٹوٹی۔ اس کے صرف مغربی ایشیا کے مقبوضات اور شمالی افریقہ میں سے صرف مصر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کے پرچم تلے آئے۔ یورپ کے جو ممالک قیصر روم کے قبضے میں تھے وہ جوں کے توں باقی رہے اور سلطنتِ روم کی سطوت کافی بڑی حد تک باقی رہی۔ شمالی افریقہ

کے دوسرے مقبوضات دور عثمانی میں اسلامی مملکت کے زیر نگیں آئے — لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سلطنت کسریٰ کی تودور فاروقی میں دھجیاں اڑ گئیں، اس کا توجہ دہی باقی نہیں رہا — لہذا جہاں تک انتقامی جذبات کا معاملہ ہے تو وہ سب سے زیادہ شدید ایرانیوں کے اندر موجزن تھے۔ اسی سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایرانیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا بغض کیوں ہے! اسی کا مظہر ہے کہ ایران میں جیسے دوسرے اکابر اور اہل بیت کے مقبروں کی شبیہیں اور تصویریں بطور تقدیس چھپتی اور گھروں میں لگائی جاتی ہیں، اسی طرح اُس بد بخت ابولولوفیروز مجوسی کی قبر کی شبیہیں اور تصویریں فروخت ہوتی ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت، خلیفہ راشد اور امیر المومنین کا قاتل تھا، اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوتی ہے: ”قبر مبارک حضرت ابولولوفیروز“ — اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس ناانجار مجوسی کی قبر کی تقدیس اور اس کے نام کی توقیر صرف اس لئے کہ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کا چراغ بجھایا تھا، جو ایران کے حقیقی فاتح تھے۔

اب آپ غور کیجئے کہ اسلام کے خلاف دُکھ طرف سازشیں شروع ہوئیں۔ ایک جانب یہودیوں کی طرف سے جو مذہبی سیادت کے لحاظ سے زخم خوردہ تھے اور دوسری جانب ان مجوسیوں کی طرف سے جو چاہے بظاہر مسلمان ہو گئے ہوں لیکن جو سلطنت کسریٰ کے پرچے اڑ جانے کی وجہ سے شکست خوردہ تھے اور آتش انتقام میں جل رہے تھے۔ نتیجتاً مذہبی اعتبار سے انتقام کے سب سے زیادہ شدید جذبات یہودیوں میں تھے اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ انتقام کے جذبات ایرانیوں میں تھے۔ یہ دونوں ہی چاہتے تھے کہ اللہ کے دین کے چراغ کو اپنی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور افواہوں سے بجھادیں۔

اس انتقام کی پہلی کڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی، اور اس کے ذریعے خلافت اسلامی کو سیوتاؤ کرنا مقصود تھا، لیکن اسلام کے دشمنوں کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حالات پر پوری طرح قابو پالیا، بلکہ داخلی امن و امان اور استحکام کے ساتھ تمام شورشیں اور بغاوتیں نہ صرف فرو کر ڈالیں بلکہ فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہونے لگا تو اب یہودی سازشی

ذہن اور آگے بڑھا اور اُس نے اپنی وہ خفیہ کارروائیاں تیز کر دیں جن کی داغ بیل عبد اللہ بن سبا اور صدیقی میں ڈال چکا تھا۔ اس سازشی کام کے لئے اس کو ایران کی زمین سب سے زیادہ سازگار نظر آئی۔ یہاں وہ عنصر بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود تھا جو بظاہر مسلمان لیکن ذہناً جو سی اور شاہ پرست تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا، اور وہ سیدھے سادے عوام بھی موجود تھے جن کی کٹھنی میں شخصیت پرستی اور ہیرو ورشپ (Heroworship) پڑی ہوئی تھی اور جو ہر بڑے اور ہر مقدس شخص کے اہل بیت کو بھی بڑا اور مقدس سمجھنے کے صدیوں سے خوگر تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا کی سازش پال کی سازش سے کم نہیں تھی۔ لیکن اسلام اللہ کا آخری دین ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں، اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے، جسے اللہ نے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لی ہوئی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ اللہ کی طرف سے ﴿وَاللَّهُ مَتِّعُ نُوْرِهِ﴾ کا اہل فیصلہ ہو چکا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کو مسخ کیا گیا اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تو قرآن نے آکر صبح کر دی اور دین حق مبرہن ہو گیا۔ اگر حضور ﷺ کی شخصیت کو اور آپ کے لئے ہوئے دین کو مسخ کر دیا جاتا تو پھر کون تھا جو اس کی تصحیح کرتا؟ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور ختم المرسلین ہیں لہذا حضور کی شخصیت، دین اسلام اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ عطا ہوا۔ نیز امت مسلمہ کو یہ فضیلت بھی عطا ہوئی کہ امت کے علمائے حق کا مقام حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل کے مطابق قرار پایا۔ مزید برآں حضور نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میری امت کا ایک گروہ ہر دور میں حق پر قائم رہے گا۔ لہذا یہ سازش بالکل کامیاب نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس سازش کے وہ گندے اور نجس انڈے بچے تھے جن کے ہاتھوں خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور علوی خلافت کا پورا دور فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہو گیا اور اس دور میں چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے شہید ہوئے۔ یہ درحقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا خمیازہ تھا۔ جب کسی حقیقی بندہ مومن کو ستایا جاتا ہے، جب کسی مومن

صادق کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جب کسی اللہ والے کے دل کو ڈکھایا جاتا ہے، جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی محبوب کا ناحق خون بہایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب بھڑکتا ہے اور مختلف صورتوں میں عذاب الہی کا ظہور ہوتا ہے، جس کی ایک بڑی المناک صورت آپس کی خانہ جنگی اور خون ریزی ہوتی ہے، جو ہمیں دورِ علویٰ میں نظر آتی ہے۔

مظلوم ترین شہادت

اسلام کی تاریخ قربانیوں اور شہادتوں سے بھری پڑی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ”شہیدِ مظلوم“ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سے قبل مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے، انفرادی طور پر بھی اور میدانِ قتال میں بھی، جہاں انہوں نے کفار کو قتل بھی کیا اور خود شہادت کے مرتبہ عالیہ سے سرفراز بھی ہوئے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلے مردِ صالح ہیں جو امامِ وقت، خلیفہ راشد اور امیر المومنین ہوتے ہوئے خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپؓ محبوبِ رسولِ خدا ہیں، اور محبوب بھی کیسے کہ جن کے حوالہ نکاح میں کیے بعد دیگرے حضور ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ جن کے حسن سلوک سے نبی اکرم ﷺ اتنے خوش تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی چالیس بیٹیاں آپؓ کے نکاح میں دینے کے لئے راضی تھے اور جن کے متعلق حضورؐ نے یہ بشارت دی تھی کہ ((لِكُلِّ نَبِيٍّ زَوْفَتَانِ وَزَوْفَتَايَ فِي الْجَنَّةِ عُمَانُ)) (ترمذی) یعنی ”جنت میں ہر نبی کے ساتھ اس کی اُمت سے ایک رفیق ہو گا اور عثمان (رضی اللہ عنہ) میرے رفیق ہیں، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوں گے۔“

وہ بزرگ ہستی انتہائی مظلومیت کی حالت میں قتل ہوئی جو کاتبِ وحی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”بجدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے اور حضورؐ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی کہ حضورؐ اپنی پشت سے مجھ پر سہارا لگائے ہوئے ہوتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ لکھو۔“ چنانچہ کتبِ سیر میں منقول ہے کہ جب باغیوں کے حملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دھنسا ہوا تھا کاٹا گیا تو آپؓ

نے فرمایا: ”یہ وہی ہاتھ ہے جس نے سورِ مفصل کو لکھا تھا“ — وہ مبارک شخصیت حالت محسوری میں شہید کی گئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے امت پر یہ احسان فرمایا کہ پوری امت کو ایک مصحف پر مجتمع اور متفق کر دیا۔ آج ہم جس قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ امت تک بہ کمال و تمام صحت کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بدولت منتقل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے بعد (جو دور عثمانی میں ہوئی تھی) مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عراق و شام میں قراءتِ قرآن کے اندر مسلمانوں کے اختلاف کا ذکر بڑی تشویش کے ساتھ کیا اور کہا ”یا امیر المؤمنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف ہونے سے پہلے اس کا تذکر کر لیجئے۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کیا ہوا مصحف منگوا بھیجا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو قریش کی زبان کے موافق لکھوایا، اس لئے کہ قریش کی زبان ہی میں قرآن حکیم نازل ہوا تھا، اور اس مصحف کی نقول تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیں۔

وہ معتد شخصیت مظلومانہ طور پر شہید کی گئی جس پر رسول اللہ ﷺ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کامل اعتماد تھا اور جو ہر نازک موقع پر مشوروں میں شریک رہے۔ یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ مرض الموت میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے جانشین کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وصیت لکھوا رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھوانے سے قبل آپؓ پر غشی طاری ہو گئی، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ جب غشی دور ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ”پڑھئے کیا لکھا ہے۔“ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں اور کہا ”آپ نے عمر کا نام اس لئے لکھ دیا کہ مبادا اس غشی میں میری جان چلی جائے۔“

جنت کے بشارت یافتہ اُس امام وقت کا خون ناحق بہایا گیا جن سے احادیث کی معتبر کتابوں میں ایک سو چالیس حدیثیں مروی ہیں، جن میں وہ مشہور حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے اور ہماری دعوت رجوع الی القرآن میں رہنما اصول کے طور پر

شامل ہے کہ: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» ”تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا۔“ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے کہ جس مومن صالح نے چالیس حدیثیں یاد کر لیں تو وہ قیامت کے روز علماء کے زمرے میں اٹھایا جائے گا، تو جن کو ایک سو چالیس احادیث نہ صرف یاد ہوں بلکہ انہوں نے آنحضور ﷺ سے سن کر روایت کی ہوں، ان کے مرتبے اور مقام علو کا کیا کہنا!

اُس عالی مقام بزرگ کو شہید کیا گیا جس سے خدا بھی راضی تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی راضی تھے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”ایک دن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرا شوہر بہتر ہے یا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا؟ حضورؐ نے کچھ دیر سکوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ”تمہارا شوہر ان لوگوں میں سے ہے جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسولؐ ان کو دوست رکھتا ہے۔“ پھر حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ”میں تم سے اس سے بھی زیادہ بیان کرتا ہوں، وہ یہ کہ میں (معراج میں) جب جنت میں داخل ہوا اور عثمان کا مکان دیکھا تو اپنے صحابہ میں سے کسی کا ایسا نہیں دیکھا، ان کا مکان سب سے بلند تھا۔“ اس روایت کے ساتھ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ: ”میں کہتا ہوں کہ یہ بلوے پر صبر کرنے کا ثواب ہے۔“

شہادت سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس دن محاصرے کی حالت میں رہے اور اس دوران بلوائیوں نے پانی کا ایک مشکیزہ تک امام وقت کے گھر میں پہنچنے نہیں دیا۔ ان مفسدین کی شقاوت قلبی دیکھئے کہ اس شخص پر پانی بند کر دیا گیا جس نے اپنی جیب خاص سے ہر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ دیگر گوں حالات کے باعث ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کی وہ امانتیں لینے جانا چاہتی تھیں جو آپ کے پاس محفوظ تھیں اور ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پانی کا ایک مشکیزہ بھی ساتھ لے لیا، لیکن باغیوں نے نیزوں کے پھلوں سے مشکیزے میں چمید کر دیئے، ام المومنین رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی اور ان کو اندر نہیں جانے دیا۔

یہی واقعہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی کی ایک مشک بھیجی۔ ان کا خیال تھا کہ بلوائی کم از کم حسین رضی اللہ عنہ کا تو لحاظ کریں گے۔ لیکن خالموں نے ان کی بھی پرواہ نہیں کی اور مشک کو نیزوں سے چھید دیا۔

ایک طبقہ کی طرف سے کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کی پیاس کے چرچے کو اتنا عام کیا گیا، اتنا پھیلا یا گیا اور مسلسل پھیلا یا جاتا ہے کہ اہل سنت کے ذہنوں پر بھی یہی بات مسلط ہے کہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پانی بند کر کے جس ظلم اور شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا گیا تھا اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بلاشبہ یہ انتہائی شقاوت تھی، اس سے انکار نہیں، لیکن اس کے اس قدر چرچے کی اصل غایت یہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پچاس دن رات پانی بند رکھنے کے باعث اس امام برحق اور اس کے اہل خاندان پر جو مصیبت گزری تھی وہ مسلمانوں کے اجتماعی حافظے سے محو ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے عوام تو درکنار اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی یہ معلوم تک نہیں کہ خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ، فضیلت کے لحاظ سے پوری اُمت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تیسرے مقام پر فائز شخصیت، نبی اکرم رضی اللہ عنہ کے دوہرے داماد کس بہیمانہ ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے تھے۔ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کتنے دن پانی بند رہا؟ مشہور روایات کے مطابق ۷ محرم الحرام کو تو وہ میدان کربلا میں پہنچے تھے اور ۱۰ محرم کو ان کی شہادت ہو گئی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ چار دن پانی بند رہا۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ دریائے فرات سے کچھ ہی فاصلہ پر مقیم تھا، جہاں تھوڑا سا گڑھا کھودا جائے تو پانی برآمد ہو جاتا ہے، البتہ وہ گدلا اور نا صاف ہوتا ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ گڑھے کھودے گئے اور گدلا پانی فراہم کیا گیا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تو پچاس دن کے لگ بھگ پانی بند رکھا گیا اور وہ اپنے مکان کے بالا خانے کی بالکونی سے بلوائیوں اور محاصرہ کنندگان سے فریاد کرتے رہے کہ: ”میں تم کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ ہیر و منہ سے کوئی شخص بلا قیمت پانی نہیں پی سکتا تھا، پھر میں نے اس کو خرید کر وقف کر دیا تو امیر و غریب اور مسافر سب اس سے سیراب ہوتے ہیں۔“ لوگوں نے کہا

”ہاں ہم جانتے ہیں۔“ لیکن اس کے باوجود ان ظالموں کی طرف سے امام مظلوم بیٹھ کو پانی پہنچنے نہیں دیا گیا۔ حضرت حسین بیٹھ کی پیاس کا اتنا چڑھا کیا گیا، اس میں اتنی رنگ آمیزی کی گئی اور ان کی پیاس کی مبالغہ آمیز داستان اس لئے گھڑی گئی تاکہ امت کو حضرت عثمان بیٹھ کی پیاس یاد نہ رہے۔ حضرت حسین بیٹھ کی شہادت پر مظلومیت کا رنگ اس لئے چڑھایا گیا کہ حضرت عثمان بیٹھ کی مظلومیت آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ ایک واقعہ کو پورے ڈرامائی انداز سے جو اپنی جگہ کتنا ہی المناک کیوں نہ ہو — عوام الناس میں اس طرح پھیلا دیا گیا ہے کہ اب کوئی جانتا ہی نہیں کہ امت کے اصل مظلوم شہید حضرت عثمان غنی بیٹھ ہیں۔ پھر ہر سال اس کا اتنا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ گویا تاریخ اسلام میں کوئی اس سے زیادہ المناک اور عظیم سانحہ وقوع پذیر ہوا ہی نہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سانحہ کربلا بھی انتہائی المناک تھا اور یہ تاریخ اسلام کے ماتھے پر ایک بد نما داغ ہے لیکن ہر واقعے اور سانحے کا ایک مقام اور مرتبہ ہے، اس کو اسی مقام پر رکھنا چاہئے، افراط و تفریط سے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ حضرت حسین بیٹھ بھی، مسلمان کھلانے والوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ بیٹھ کی شہادت انتہائی قابل افسوس حادثہ ہے، لیکن آپ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مد مقابل دشمن کو قتل بھی کیا اور مقتول بھی ہوئے۔ میں یہ کتابوں کہ چاہے ایک کا ایک سو سے مقابلہ ہو، لیکن جب کوئی میدان جنگ میں ہے اور اس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہے تو ”يَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ“ والا معاملہ کسی نہ کسی درجے میں تو درپیش ہے۔ مقابلہ کرنے والا قتل بھی کرتا ہے اور مقتول بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہ صورت حال بالکل دوسری ہے — لیکن ذرا تقابلی تو کیجئے میدان کربلا کے میدان کارزار کا اور حضرت عثمان بیٹھ کی تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد شہادت کا۔ وقت کی عظیم ترین سلطنت کا فرمانروا، جس کی حدود و مملکت کا یہ عالم ہو کہ حضرت ذوالقرنین جیسے عظیم بادشاہ کی سلطنت سے بھی سہ چند — وہ اگر ذرا اشارہ کر دے تو اتنی فوجیں جمع ہو سکتی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مصر، شمالی افریقہ، شام و فلسطین، یمن، نجد، حجاز، عراق اور ایران کے جان نثار گونرز، سب ان کے ایک حکم پر لشکرِ جرار کے ساتھ حاضر ہو سکتے تھے —

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما انتہائی اصرار کرتے رہے کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم ان بلوائیوں، شورش پسندوں، فتنہ گردوں اور باغیوں سے نمٹ لیں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک حکم تھا کہ ”نہیں“۔ اگر اس پیکر مبرور رضا کی زبان سے ایک لفظ بھی اجازت کا نکل جاتا تو بلوائیوں اور باغیوں کی نیکہ بوٹی ہو جاتی اور ان کا نام و نشان ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں مبروہات، حلم و تحمل اور قوت برداشت کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں۔ انہیں اپنی جان دینا قبول — اپنی بے حرمتی منظور — لیکن یہ بات کسی حال میں منظور نہیں کہ ان کی وجہ سے کسی بھی کلمہ گو کے خون کی ایک پوند گرے۔

مبروہات کی عظیم مثال

میں حیران ہوتا ہوں ان لوگوں کی عقل اور سمجھ پر جو کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کمزور طبع تھے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کے بندو! غور کرو، کوئی کمزور آدمی ایسا دیکھا ہے جو ان حالات میں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آئے، تحمل و حلم اور مبروہات کا بے نظیر مظاہرہ کر سکے۔ جب بلی کی جان پر بن آتی ہے تو وہ پکڑنے والے کے حلقوم پر جھپٹا مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اُدھر حال یہ ہے کہ ایک اشارے پر بے شمار جاں نثار جمع ہو سکتے ہیں، جو پسینے کی جگہ خون بہانا اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ کمزور آدمی تو فوراً مشتعل ہو جاتا ہے، کمزور آدمی میں حلم کہاں اور تحمل کہاں؟ — حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ساری قوت، سارے وسائل اور سارا دبدبہ رکھتے ہوئے بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ چاہے میری جان چلی جائے، میرا خون بہ جائے، لیکن میں اپنی حفاظت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کے لئے تیار نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں، ہم کریں تو کیا کریں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ بلوائیوں کی کل تعداد اٹھارہ سو تھی۔ بعض لوگ تعجب کرتے ہیں کہ عین دار الخلافہ میں اٹھارہ سو نفوس کس طرح پچاس دن محاصرہ کے بعد خلیفہ وقت کو قتل کر گئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پابند کر دیا تھا کہ میری مداخلت کے لئے تلوار نہیں اٹھائی جائے گی، میں کسی

کلمہ گو کے خون کی چھینٹ اپنے دامن پر برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بلوائی بلاشبہ باغی تھے، منافق تھے، لیکن تھے تو کلمہ گو۔ یاد کیجئے، رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے گستاخانہ رویہ پر عمر فاروقؓ نے نبی اکرمؐ سے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا تھا کہ نہیں عمر! وہ کچھ بھی ہو، اس کو کلمہ کا تحفظ حاصل ہے۔ عین حالت جنگ میں ایک شخص نے اُس وقت جبکہ وہ حضرت اُسامہؓ کی تلوار کی زد میں آگیا تھا، کلمہ پڑھ دیا، لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ انہوں نے وہی کچھ سمجھا جو ایسے موقع پر ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ جب حضورؐ کے علم میں یہ بات آئی اور حضورؐ نے حضرت اُسامہؓ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ حضورؐ! اس نے تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اے اُسامہ! قیامت کے دن کیا کرو گے جب وہ کلمہ تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا، جس کی ڈھال ہوتے ہوئے تمہاری تلوار اس شخص کی گردن پر پڑی۔ ادھر یہ بلوائی کلمہ کی ڈھال لئے ہوئے تھے، ادھر معاملہ تھا عثمان بن عفانؓ سے، جو ایک طرف ”کامل الحیاء والایمان“ تھے تو دوسری طرف صبر و ثبات اور حلم و تحمل کی آہنی چٹان تھے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان بلوائیوں کے خون کا ایک چھینٹا تک ڈھونڈے سے کیس نظر نہ آتا۔ ایسی ہستی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کمزور طبع تھے۔ کمزور طبع شخص تو مایوسی کے عالم میں انتہائی مشتعل (Desperate) ہو جاتا ہے اور وہ کچھ کر گزرتا ہے جو عام حالات میں کسی زور آور اور مضبوط انسان سے بھی بعید ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی سیرت کا یہ حصہ گواہی دے رہا ہے کہ آپؓ صبر و استقامت کے ایک پہاڑ تھے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مغاللوں، غلط فہمیوں اور فریبوں کے پردے چاک ہوں۔

اس ضمن میں مغیرہ بن شعبہؓ کی ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں درج کی ہے۔ حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓؓ کے پاس گئے اور کہا کہ امیر المؤمنین! میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک اختیار فرمائیے، ورنہ یہ بلوائی آپ کو ناحق قتل کر دیں گے۔ یا تو آپ

نے ان بنیوں بھیزوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لڑنے کے متعلق تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت میں پہلا خونریز خلیفہ بنوں اور اپنی مدافعت میں مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہانے کا سبب بنوں۔ مکہ اس لئے نہیں جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ قریش کے جس شخص کی وجہ سے مکہ میں ظلم ہو گا اس پر نصف عالم کے برابر عذاب ہو گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ہی وہ شخص بنوں۔ جبکہ دارالہجرت اور نبی اکرم ﷺ کا قرب چھوڑ کر شام چلے جانا مجھے کسی طرح گوارا نہیں۔

ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بڑے بڑے لوگوں کا محاصرہ توڑ کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا: ”انصار دروازے پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ہم دو مرتبہ انصار اللہ بن جائیں۔“ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ”میں قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ اسی قسم کی ایک روایت حضرت حسنؓ سے بھی مروی ہے کہ: ”انصار حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا: یا امیر المؤمنین! ہم چاہتے ہیں کہ خدا کی دوسری مرتبہ مدد کریں۔ ایک مرتبہ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی اب دوسری مرتبہ آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اپنے لئے ہرگز خوں ریزی کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم واپس چلے جاؤ۔“ حضرت حسنؓ مزید کہتے ہیں کہ بخدا اگر وہ لوگ صرف چادروں سے آپؓ کی حفاظت کرتے تو آپ کو بچا لیتے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ حکم لگانا کہ وہ کمزور طبع تھے، انتہائی ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ میں پھر یہی عرض کروں گا کہ ایسے لوگوں میں خود عقل نہیں یا وہ دوسرے سب لوگوں کو اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں کہ جوابات یہ کہہ دیں وہ باور کر

لی جائے گی۔ اگر حضرت علیؓ اپنی سی ساری کوشش کرنے بلکہ اپنی جان دے کر بھی فتنہ کو نہ روک سکے تو ان کی شجاعت، جرات اور شیر خدا ہونے پر کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو حضرت عثمانؓ کیسے کمزور ہو گئے جبکہ انہوں نے بھی اپنا خون صرف فتنہ کو سراٹھانے کا موقع نہ دینے کی وجہ سے دے دیا۔

میرے نزدیک اس بات کی مسلمانوں میں خوب نشر و اشاعت کی ضرورت ہے کہ ہمارے نزدیک میدان قتال میں کفار کے ہاتھوں شہید ہونے والوں میں پوری امت میں سب سے افضل حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کا اعضاء بریدہ اور مثلاً شدہ لاشہ اس حال میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے تھا کہ پیٹ چاک اور کلیجہ چنایا ہوا تھا۔ آپؐ کو ترجمان وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”سید الشهداء“ کا لقب دیا تھا۔ امت کی تاریخ میں دوسرا المناک سانحہ ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں حضرت عمر فاروقؓ کے چراغ حیات کا قتل ہونا تھا۔ اسی طرح ایک نام نہاد کلمہ گو کے ہاتھوں حضرت علیؓ کی شہادت بھی امت کے لئے ایک سانحہ فاجعہ سے کم نہیں۔ لیکن مظلومیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ المناک، سب سے زیادہ دردناک اور سب سے زیادہ عظیم سانحہ فاجعہ امام برحق، خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ و النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت ان سب کے بعد آتی ہے۔ یہ حضرت عثمانؓ کا خون ناحق ہی تھا جس کی وجہ سے اللہ کا غضب آیا اور پھر حضرت علیؓ کے دور خلافت میں چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے، خون کی ندیاں بہہ گئیں، فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پڑا کہ چودہ سو سال بھی اس کو پاٹ نہ سکے بلکہ وہ ہر دور میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میدان کربلا میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے ذمہ دار بھی دراصل وہی سازشی لوگ تھے جن کی ریشہ و دانیوں کے نتیجے میں ۱۸ ذوالحجہ ۳۶ ہجری کو امام مظلوم حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے، اور حضرت حسینؓ کی شہادت پر داویلا اور ماتم کرنے والے بھی درحقیقت اکثر و بیشتر وہی لوگ ہیں جن کے دامن خون عثمانؓ، خون علیؓ اور خون حسینؓ سے داغدار ہیں۔

ساختہ عظیم

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند یوم قبل حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو اسلام سے قبل ایک جید یہودی عالم تھے) نے حاضرین سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ چونکہ اس بلوے میں اصل سازشی ذہن تو یہودیوں کا کام کر رہا تھا لہذا بلوائیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی گستاخی کر کے آئیں گے، لہذا انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیجئے کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ ظالم اب آپ کو شہید کئے بغیر نہ ٹھیں گے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ کی مدافعت میں شہید ہو جاؤں — اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ روایات میں محفوظ ہیں کہ: ”میرا جو حق تم پر ہے، میں اس کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ، میرے ساتھ نہ رہو۔“ وہ حق کیا تھا؟ اس کی تفصیل موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا ہو، اس کا واسطہ دیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد امیر المومنین ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پر جو آپ کی اطاعت واجب تھی، اس کا واسطہ دیا ہو — بہر حال ناچار حضرت عبداللہ بن سلام واپس چلے گئے۔ باہر بلوائی پھرتے تھے کہ وہ آکر ہمیں بتائیں گے کہ کس طرح وہ حضرت عثمان کی دل آزاری کر کے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے بلوائیوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ: ”لوگو! باز آ جاؤ۔ امام وقت کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگو۔ میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ کبھی اللہ کا کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا، جس کی پاداش میں کم از کم ستر ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے اور کبھی کسی نبی کا خلیفہ شہید نہیں کیا گیا، لہذا آ نکہ اس کی شہادت کے بعد کم از کم ۳۵ ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے۔“ دیکھو! باز آ جاؤ، میں سچ کہتا ہوں کہ خون کی ندیاں بہ جائیں گی۔“ بلوائی کچھ اور توقع کر رہے تھے، لیکن جب انہوں نے یہ بات سنی تو شور مچا دیا کہ ”یہ یہودی جھوٹ کہتا ہے۔“ انہوں نے پھر کہا ”خدا کی قسم میں جھوٹ

نہیں کہہ رہا، بلکہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ کی کتاب تو رات کے حوالے سے کہہ رہا ہوں! اب بھی باز آ جاؤ، ورنہ تمہاری اس حرکت سے جو فتنے کا دروازہ کھلے گا، اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔“

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک روز حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا کہ ”اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس اُمت پر خلیفہ مقرر کرے اور منافق اس بات کی کوشش کریں کہ اللہ کے پہنائے ہوئے اس کرتے کو اتار دو تو اس کو ہرگز نہ اتارنا“۔ حضورؐ نے تین بار تاکید فرمائی۔ چنانچہ عین شہادت کے دن جب بلویوں کی طرف سے اشتہر نے حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے جس کو چاہو خلیفہ بنا لو! ورنہ یہ لوگ آپ کو قتل کر ڈالیں گے، تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ”میں خلافت نہیں چھوڑ سکتا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جس جامہ کو خدا مجھے پہنائے گا میں اس کو کبھی نہیں اتاروں گا“۔ حضرت عائشہؓ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ایک وقت صرف حضرت عثمانؓ کو تخلیہ میں بلا کر ان سے کچھ باتیں کیں۔ اس دوران حضرت عثمانؓ کا چہرہ متغیر ہوتا چلا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے غلام ابو سلمہ نے بیان کیا کہ شہادت سے پہلے حضرت عثمانؓ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں صابر رہوں۔

وقتِ آخر

اس کامل الحیاء والایمان کے اعطاء اور تقویٰ کی عین شہادت کے دن والی شان بھی دیکھئے۔ اُس وقت آپؐ کے پاس بیٹس غلام تھے، ان سب کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ میرا تو آخری وقت آ گیا ہے۔ آپؐ نے ساری عمر کبھی شلوار نہیں پہنی تھی، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ وقت آخر قریب ہے تو اس خیال سے کہ مبادا اس ہنگامے میں عریاں ہو جاؤں، شلوار منگائی اور پہنی۔ روایت میں الفاظ آئے ہیں کہ ”وَشَدَّهَا“ کہ اس کو خوب کس کر باندھا، تاکہ شہید ہونے کے بعد ستر نہ کھلے پائے اور اس موقع پر رسول اللہ

ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ ”وَ اَكْتَفَوْهُمْ حَيَاءَ عَفْمَانٍ“ کو کہیں نہ لگ جائے۔ شلوار پنی اور پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ خون عثمانؓ بڑھنے کا پہلا قطرہ سورۃ البقرہ کے ان الفاظ پر گرا ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ ”ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے“ — اس طرح وہ پیشینگوئی پوری ہوئی جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ: ”میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں عثمانؓ بڑھ آگئے۔ آپؐ نے فرمایا: اے عثمان! تم سورۃ البقرہ پڑھتے ہوئے شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے خون کا قطرہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرے گا۔ تم پر اہل مشرق و مغرب یورش کریں گے اور ربیعہ و مصر (دوقیلے) کے لوگوں کے برابر تمہاری شفاعت قبول ہوگی اور تم قیامت میں بے کسوں کے سردار بن کر اٹھائے جاؤ گے۔“

نبی اکرم ﷺ کی مزید پیشین گوئیاں

ممکن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (جب کہ ایک مرتبہ آپؐ باغ میں تھے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ تشریف لاکچے تھے تو) تیسری بار دروازے پر دستک سن کر مجھ سے فرمایا کہ عثمانؓ کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو ایک بلوے میں صابر رہنے پر جنت کی خوشخبری سناؤ۔“

حضرت کعب بن عجرہؓ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ: ”ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا اور ان کا قریب ہونا بیان کیا۔ اتنے میں ایک صاحب اپنا سر لپیٹے ہوئے نکلے جس سے ان کا منہ چھپا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اُس دن حق پر ہو گا۔ میں نے ٹپک کر ان صاحب کے ہاتھ پکڑ لئے اور ان کا چہرہ کھول کر حضورؐ کی طرف کرتے ہوئے عرض کیا ”کی؟“ آپؐ نے جواب میں فرمایا ”ہاں ہی“ — یہ صاحب حضرت عثمانؓ تھے۔“ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔

استیعاب میں ہے کہ زرارہ بن نعیمیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا کہ ”میں نے دیکھا کہ ایک آگ نکلے جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی۔“

حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ وہ قنہ ہے جو میرے بعد ہو گا۔ لوگوں نے دریافت کیا :
 یا رسول اللہ! قنہ کیا؟ حضورؐ نے فرمایا : ”آگ وہ قنہ ہے جس میں لوگ اپنے امام کو
 قتل کر ڈالیں گے، جس کے بعد آپس میں خوب لڑیں گے، مسلمان کا خون مسلمان کے
 نزدیک پانی کی طرح خوشگوار ہو گا، برائی کرنے والا اپنے آپ کو نیک گمان کرے گا۔“
 آنحضور ﷺ اس ارشاد میں ”امام“ سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ ان کی
 شہادت کے بعد ہی مسلمانوں میں آپس میں خونریزی ہوئی۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک قنہ کا ذکر کیا
 اور اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں یہ مظلوم شہید
 ہوں گے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا،
 آپؐ فرماتے تھے کہ عنقریب قنہ و اختلاف ہو گا۔ ہم نے کہا آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟
 آپؐ نے فرمایا کہ امین یعنی عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا ساتھ اختیار کرنا۔“

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تاثرات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل کوفات پا چکے تھے، لیکن
 ان کے غلام ابوسعید سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ
 ”خدا کی قسم اگر لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے تو ان کا جانشین نہیں ملے گا۔“ حضرت
 سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے (یکے از عشرہ مبشرہ) شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کہا : ”اگر تمہارے
 اس معاملہ سے جو تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے، خدا کا عرش اپنی جگہ سے ہل جاتا تو بعید
 نہیں تھا۔“

عالم اولین و آخرین یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ : ”لوگوں
 نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنے اوپر ایسے فتنے کا دروازہ کھول لیا ہے جو قیامت تک بند
 نہ ہو گا۔ اب جو تلواریں کھینچ گئی ہیں وہ قیامت تک میانوں میں بند نہ ہوں گی۔“
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حسرت سے کہا کرتی تھیں کہ : ”باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر
 دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک قول مروی ہے۔ محمد بن حاطب سے روایت ہے کہ کوفہ میں ایک مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”لوگ عثمان کے حق میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کی پاسداری کی اور بری طرح حکومت کی اور لوگوں نے ان سے بدلہ لیا ہے، جبکہ میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جب عنقریب حاکم عادل کے پاس جائیں گے تو وہ ان کا فیصلہ کر دے گا، ان کے لئے آگ ہوگی۔“ محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر مجھ سے کہا کہ: ”اے محمد بن حاطب! جب تم مدینہ جاؤ اور لوگ تم سے عثمان کی بابت دریافت کریں تو کہنا کہ خدا کی قسم وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی قرآن نے یہ صفت بیان کی ہے: ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ بِحُبِّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا، ایمان لائے اور عمل صالح کیا، پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے۔ پھر تقویٰ اختیار کیا اور خوبی کے ساتھ اس کا حق ادا کیا، اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے) —

روایات میں یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ نے ابان کو مخاطب کر کے کہا: ”میں امید کرتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَوْ تَرَوُنَا مَعًا لَفِي ضَلُّوْدٍ هُمْ مِنْ غَيْرِ اخْوَانَا عَلَىٰ شُرُوبٍ مَقْطُوعِينَ﴾ (ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہوگی اسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آنے سارے سارے تختوں پر بیٹھیں گے۔)

مختار حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ: ”یا اہل علی! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں اور عثمان کے قتل کے دن میرے ہوش اڑ گئے تھے“ — حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ: ”لوگوں نے عثمان کے قتل کے بعد مجھ سے بیعت کرنا چاہی، میں نے کہا بخدا مجھے ان لوگوں سے بیعت لینے شرم آتی ہے جنہوں نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”کیا میں اس سے شرم نہ کروں جس سے ملائکہ شرم کرتے ہیں“ پس میں بھی خدا سے شرم کرتا ہوں۔ لوگ چلے گئے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہو

گئے اور امت بغیر خلیفہ کے رہ گئی، اہل مدینہ نے بھی بیعت کے لئے اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی اور اُس وقت میں نے کہا: اے اللہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا بدلہ مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کہا کہ ”خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہستے کم اور روتے زیادہ۔ بخدا اب قریش میں اس کثرت سے موت اور قتل واقع ہو گا کہ اگر کوئی ہرن اپنے مسکن میں جائے گا تو وہاں بھی کسی قرشی کے جوتے پڑے ملیں گے۔“

حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ: ”اگر سب لوگ قتل عثمان پر متفق ہو جائے تو ان پر مثل قوم لوط پھر رہتے۔“

حضرت حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ: ”عثمان رضی اللہ عنہ جس دن خلیفہ بنائے گئے اس دن وہ سب سے افضل تھے اور جس روز شہید کئے گئے اس دن وہ خلافت والے دن سے زیادہ اشرف تھے۔ ان سے زیادہ افضل و اشرف روئے زمین پر کوئی نہیں تھا۔ اور مصحف کے بارے میں وہ ویسے ہی سخت تھے جیسے ابو بکرؓ قتال غزوات میں اور مانعین زکوٰۃ کے بارے میں شدید تھے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتنے دل گرفتہ اور آزرہ خاطر تھے کہ انہوں نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ان سے مروی ہے کہ شہادت کے دن عثمان صبح اٹھے تو کہا کہ: ”میں نے آج رات کو نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: ”اے عثمان آج تم روزہ میرے ساتھ افطار کرو۔“۔۔۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد جمعہ کے دن روزے کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه!

قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے چند ایک کا عبرتناک انجام

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ: میں نے شام کے بازار میں ایک آدمی کی آواز سنی جو ”آگ آگ“ چیخ رہا تھا۔ میں قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر غنٹوں سے کٹے ہوئے ہیں اور دونوں آنکھوں سے اندھامنہ کے بل زمین پر پڑا گھسٹ

رہا ہے اور ”آگ آگ“ جیج رہا ہے۔ میں نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ”میں ان لوگوں میں سے ہوں جو عثمانؓ کے گھر میں گھسے تھے۔ جب میں ان کے قریب گیا تو ان کی اہلیہ چیخنے لگیں، میں نے ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ عثمانؓ نے کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے، عورت پر ناحق ہاتھ اٹھاتا ہے۔ خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے، تیری دونوں آنکھوں کو اندھا کرے، اور تجھے آگ میں ڈالے! مجھے بہت خوف معلوم ہوا اور میں نکل بھاگا۔ اب میری یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو، صرف آگ کی بددعا باقی رہ گئی ہے۔“

نافعؓ سے مروی ہے کہ: ”ایک بلوائی نے شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ کا عصا لے کر اس کو اپنے گھسنے سے توڑ ڈالا تھا، اس کی پوری ٹانگ گل گئی“ — یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ: ”جو لوگ حضرت عثمانؓ پر چڑھائی کر کے گئے تھے ان میں سے اکثر پاگل ہو کر مرے۔“

واقف اسرارِ نبویؐ یعنی حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ ”جب بلوائی حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے تو لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ بلوائی حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف گئے ہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بخدا یہ لوگ ان کو شہید کر دیں گے۔ لوگوں نے پوچھا: شہید ہونے کے بعد کیا ہو گا؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم عثمانؓ جنت میں جائیں گے اور ان کے قاتلین کے لئے دوزخ ہے، جس سے ان کو کسی طور چھٹکارا نہیں ملے گا۔“

حضرت حسن بن علیؓ کا خواب

روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ (جن کو بلوائیوں نے اس وقت زخمی کر دیا تھا جب وہ حضرت عثمانؓ کو محاصرے کی حالت میں پانی پہنچانا چاہتے تھے) حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں خطبہ بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس خطبے میں انہوں نے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ اس خواب سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی ایک تو ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے — حضرت حسنؓ نے فرمایا:

”لوگو! میں نے کل رات ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت لگی ہوئی ہے۔ پروردگار کائنات اپنے عرش پر متمکن ہے۔ نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں اور عرش کا ایک پایہ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور حضور کے شانہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں — پھر اچانک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حال میں اس عدالت میں آتے ہیں کہ ان کا کٹا ہوا سر ان کے ہاتھوں میں رکھا ہوتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں فریاد کتناں ہوتے ہیں کہ اے پروردگار! اپنے ان بندوں سے جو تیرے آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں اور جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، پوچھا تو جائے کہ مجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟ میرا آخر کیا گناہ تھا؟ کون سا جرم تھا جس کے بدلے میں میرا سر کاٹا گیا؟“

اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :
 ”عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فریاد پر میں نے دیکھا کہ عرش الہی ٹھہرایا اور آسمان سے خون کے دو پر نالے جاری کر دیئے گئے جو زمین پر خون برسانے لگے۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے بعد لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (جو اس خطبہ کے وقت موجود تھے) شکایت کیا کہ آپ نے سنا، حسن کیا بیان کر رہے ہیں؟ کیونکہ یہ خواب تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہا تھا، قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اسے کیسے گوارا کرتے — حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ”حسن وہی بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے دیکھا ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ خون کے یہ دو پر نالے درحقیقت جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی صورت رواں ہوئے تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق پر اللہ کے غضب کی دو نشانیاں تھیں جس کی خبر عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے دے چکے تھے کہ : ”اللہ کا کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد ستر ہزار لوگ قتل ہوئے اور کسی نبی کا کوئی خلیفہ شہید نہیں کیا گیا

مگر اُس کے بعد پینتیس ہزار لوگ معقول ہوئے۔ لیکن یہاں معاملہ جو اسی ہزار کا ہے جو ان دونوں جنگوں میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زوال اور الناک انجام پر کہا تھا کہ ۔

آسمان را حق بود گر خون بیارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین!

یہاں مستعصم کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین کا نام رکھ لیجئے تو اس شعر میں آپ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خواب کی تعبیر نظر آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر۔

اقول قولی هذا واستغفر اللہ لی ولکم وللسائر المسلمین والمسلمات